معالم العرفان
فی
دروس القرآن

افادات

مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

خطیب جامع مسجد نور

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مرتّب

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن ○ لاہور

Marfat.com

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سُورَۃُ الفَاتِحَۃ

از

صوفی عبدالحمید سواتی

خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

Marfat.com

135367

طبع دوم

جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں

نام کتاب ——— معالم العرفان فی دروس القرآن (تفسیر سورۃ فاتحہ)

افادات ——— حضرت مولانا عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب ——— الحاج لعل دین صاحب ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار لاہور

مطبع ——— طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور

تعداد طباعت ——— ایک ہزار

سرورق ——— سید الخطاطین سید نفیس رقم

کتابت ——— محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ

طابع وناشر۔ انجمن محبان اشاعت قرآن جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت ——— ۱۲ر روپے

تاریخ طباعت ——— فروری ۱۹۸۳ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

ملنے کے پتے

ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مکتبہ حنیفیہ حمید مارکیٹ، مینا بازار، گوجرانوالہ

باهتمام وانتظام انجمن محبان اشاعت قرآن جامع مسجد نور نزد گھنٹہ گھر

گوجرانوالہ

Marfat.com

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ
سیدنا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

الرحمٰن علم القرآن۔ (قرآن حکیم)

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (حدیث پاک)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور علم وحکمت کا بے پایاں خزانہ ہے۔ نوعِ انسانی جس حد تک اس کے قریب ہوگی اُسی قدر اس کے لیے سعادت و فلاح کے دروازے کھلیں گے۔ قرآن پاک کا پڑھنا، سمجھنا، اس کی تعلیمات کے مطابق اپنے فکر وعمل کی اصلاح کرنا، وقتی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلف صالحین کے طریقہ پر اس کی تشریح و تفسیر کر کے عوام الناس کو اس سے مستفید کرنا باعثِ سعادت اور مدارِ فوز و فلاح ہے۔

روزانہ درس قرآن پاک ہر زمانے میں علماء کرام کا معمول رہا ہے۔ چنانچہ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صوفی عبدالحمید صاحب مدظلہ العالی نے درس قرآن پاک کا آغاز تقریباً آج سے تیس سال پیشتر جامع مسجد نور، نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ میں کیا۔ صوفی صاحب ہفتہ میں چار یوم بعد از نماز فجر درس دیتے ہیں اس عرصہ میں قرآن پاک کا مکمل درس پانچ مرتبہ دیا جا چکا ہے۔ اور اب چھٹی دفعہ اس کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہفتہ کے باقی ایام میں حدیث پاک کا درس ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی شریف، ابن ماجہ، مشارق الانوار، الترغیب والترہیب کا درس مکمل ہو چکا ہے۔ اور اس وقت مسند احمد کا درس جاری ہے۔ صوفی صاحب کا درس قرآن پاک کے سلسلہ میں ہمیشہ یہ معمول رہا ہے۔ کہ قرآن پاک کی تفسیر مفسرین و محدثین کرام کے مرتب کردہ اصول تفسیر اور سلف

Marfat.com

صالحین کے مسلک کے مطابق بیان فرماتے ہیں اور حتی الامکان غیر ضروری بحث سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی توجہ آیت زیرِ درس اور اس سے متعلقہ موضوع پر مرکوز رکھتے ہیں۔ اُن کے مفید طرزِ بیان اور موضوع سے والہانہ محبت و لگاؤ نے بعض سامعین کو مجبور کیا کہ آپ کے بیانات کو ٹیپ کے ذریعے محفوظ کریں۔ تاکہ جب چاہیں سن کر ایمان کو تازہ کر سکیں۔

اس سلسلے میں محترم الحاج منیر احمد نارو صاحب اور عزیزم بلال احمد ناگی صاحب کی مساعی قابلِ ستائش ہیں جنہوں نے گذشتہ دورۂ درسِ قرآن پاک کے آخری حصہ سورۃ "حشر" تا سورۃ "الناس" کی ریکارڈنگ مکمل کی اور موجودہ دورۂ درس میں ابتداء سے ہی یہ کام باقاعدگی سے سر انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

جب بہت سی کیسٹیں جمع ہو گئیں تو ان میں محفوظ مضامین سے مستفید ہونے کے لیے انڈیکس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تاکہ جب بھی کوئی حصہ سننا مطلوب ہو، متعلقہ کیسٹ آسانی سے دستیاب ہو سکے۔ چنانچہ محترم الحاج غلام حیدر صاحب نے تجویز پیش کی کہ انڈیکس کی ترتیب اس طرح ہونی چاہیئے کہ اس میں کیسٹ کا نمبر، قرآن پاک کا پارہ، سورۃ، رکوع، آیات نمبر اور خلاصہ بیان ہو جائے۔ اس کام میں طبع آزمائی کے لیے انہوں نے میری خدمات سے فائدہ حاصل کرنا چاہا۔ چنانچہ احقر نے سورۃ حشر تا سورۃ تحریم کے درسوں کا انڈیکس بطور نمونہ پیش کر دیا۔ جسے محترم صوفی صاحب نے بھی پسند فرمایا۔

مذکور کام سر انجام دینے کے دوران خود میں نے یہ محسوس کیا کہ تیار کردہ انڈیکس سے صرف وہی اصحاب مستفید ہو سکیں گے جن کے پاس کیسٹ ریکارڈر موجود ہو گا، اور اگر محض خلاصہ درس کی بجائے مکمل درس کو کتابی صورت میں پیش کر دیا جائے تو اس سے وہ تشنگان بھی سیراب ہو سکیں گے۔ جو بوجوہ درس میں باقاعدہ حاضری سے قاصر ہیں۔ (اسی دوران محترم الحاج منیر احمد نارو صاحب نے شب و روز کی ذاتی کاوش سے موجودہ دورۂ قرآن پاک کا کچھ ابتدائی حصہ کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کر کے میرے خواب کی عملی تفسیر پیش کر دی۔ بلاشبہ ان کی یہ محنت قرآن پاک سے والہانہ محبت کا زندہ ثبوت ہے۔)

ان دروس کو کتابی صورت میں پیش کرنے کی تجویز جب صوفی صاحب محترم کی خدمت میں پیش کی گئی تو انہوں نے نہ صرف اسے سراہا بلکہ بعض سلف صالحین کی اتباع میں اس خواہش کا اظہار بھی فرمایا کہ ابتداء میں اگر سورۃ فاتحہ اور قرآن پاک کے آخری دو پارے مکمل ہو جائیں تو زیادہ موزوں ہو گا۔ چنانچہ اس کام کی تکمیل کے لیے صوفی صاحب کی نظرِ انتخاب اس ناچیز پر پڑی جسے باعثِ سعادت تصور کرتے

Marfat.com

ہوئے قبول کر لیا گیا۔ اور احقر نے اپنی اولین فرصت میں دس درسوں پر محیط سورۃ فاتحہ کو نہ صرف کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پہ منتقل کر دیا۔ بلکہ حسب ضرورت جگہ جگہ موزوں سرخیاں لگا کر مضامین قرآن پاک کو اجاگر، پُرکشش اور ان کی افادیت میں اضافہ کی کوشش بھی کی ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

اس کار خیر میں حصہ لینے والے مذکورہ بالا کارکنان اپنی اس کاوش پر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ قرآن پاک کا یہ حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے قرآن پاک کے حقائق و معارف کو جس سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے عوام الناس کا اس سے محروم رہنا افسوس ناک ہوتا۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اس سلسلہ میں اگر انہیں کوئی واضح غلطی نظر آئے یا وہ کوئی کمی محسوس کریں تو وہ ہمیں مطلع فرمائیں۔ تاکہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔

قرآن پاک کے آخری دو پاروں پہ کام شروع ہو چکا ہے۔ جوں جوں کام مکمل ہوتا جائے گا۔ قارئین کی خدمت میں پیش ہوتا رہے گا۔ صوفی صاحب کی اپنی آواز میں اصل کیسٹ بھی محفوظ ہیں صاحب ذوق حضرات اگر ان سے بھی مستفید ہونا چاہیں تو یہ کیسٹ اپنی اصل لاگت کے حساب سے پیش خدمت ہوں گے جو کہ ناخواندہ حضرات کے لیے خاص تحفہ ہیں۔ اس قسم کی چیز بیرون ملک اپنے اعزہ و اقارب کو بھیج کر حدیث پاک "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ" کا مصداق بننا ہے۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ اس کار خیر میں حصہ لینے والے کارکنان کے لیے استقامت کی دعا کریں۔ واللہ الموفق۔

احقر العباد

(الحاج) لعل دین ایم۔ اے (علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن لاہور

فہرست عنوانات

درس اوّل ۱۰
اذکار کی قسمیں //
اعانت الٰہی کی ضرورت ۱۱
پناہِ خداوندی //
علم اور عمل //
حواس ظاہرہ و باطنہ ۱۲
پناہ کی ضرورت ۱۳
شیطان کی حقیقت ۱۴
تعوذ کی تعلیم ۱۵
تلاوت سے پہلے تعوذ ۱۶
نماز میں تعوذ //
تعوذ۔ منہ کی پاکیزگی //
انبیاء علیہم السلام کا تعوذ ۱۷
شیطان کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ ۱۸
تعوذ کے مختلف مواقع //
حاصل کلام ۲۱
درس دوئم ۲۲
گذشتہ سے پیوستہ //
بسم اللہ۔ جزو سورۃ یا جزو قرآن //

ہر کام کی ابتدار۔ بسم اللہ ۲۳
بغیر وضو قرآن پاک چھونا مکروہ تحریمی ہے //
بسم اللہ نماز میں ۲۴
بسم اللہ کیوں ضروری ہے //
ہر جائز کام میں بسم اللہ ۲۵
ذبح کے وقت بسم اللہ //
کھانے کے آداب //
حرف ب م کے معانی ۲۶
اللہ کے تین نام۔ ان کی خاصیت //
ٹھوکر لگنے پر بسم اللہ کہنا ۲۷
صلح حدیبیہ اور بسم اللہ //
لفظ اللہ کی حقیقت ۲۸
لفظ رحمان اور رحیم کا مفہوم //
اول و آخر۔ قرآن بس //
انسان کی تین حالتیں ۲۹
دوزخ سے رہائی //
اسمائے مبارکہ کا فیضان ۳۰
بسم اللہ کی برکت۔ //

درس سوئم ۳۲
گذشتہ سے پیوستہ //
کیا تلاوت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے؟ //
صرف نفلی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے ۳۳
قرآن کریم یاد کر کے بھلا دینا گناہِ کبیرہ ہے //
قرآن کریم کو ذریعہ معاش بنانا حرام ہے ۳۴
ختم قرآن پر اجتماعی دعا مستحب ہے //
قرآنِ کریم کا سننا سنت ہے //
خوش الحانی مستحب ہے ۳۵
فضائل تلاوت //
اسماء القرآن ۳۶
نزول قرآن اور فضائل قرآن ۳۷
مسلمانوں کی تباہی کے اسباب //
اصولِ تفسیر ۳۸
تفسیر بالرائے گناہ کبیرہ ہے ۴۰
موضوع قرآن ۴۱
درس چہارم ۴۲

Marfat.com

گذشتہ سے پیوستہ ۴۲
سورۃ فاتحہ کا مقام قرآن کریم میں //
سورۃ فاتحہ کی فضیلت ۴۳
سورۃ فاتحہ۔ دیباچہ قرآن ۴۴
ربوبیت کی پانچ صفات ۴۵
انسان پانچ چیزوں سے مرکب ہے //
مضامین کتب سماوی کا نچوڑ ۴۶
بسم اللہ کی جامع تشریح //
حرف "ب" کی تشریح ۴۷
سورۃ فاتحہ کے پندرہ نام //
درس پنجم ۵۳
گذشتہ سے پیوستہ //
نماز میں سورۃ فاتحہ کا حکم //
نماز میں مطلق قرأت فرض ہے //
سورۃ فاتحہ واجب ہے ۵۴
نماز کی تین حالتیں //
مقتدی فاتحہ نہ پڑھے۔ امام اعظمؒ ۵۵
یہ قرآن میں جھگڑا کرنا ہے //
آئمہ ثلاثہ کا مسلک ۵۶
امام ابو حنیفہؒ کا مسلک //
سورۃ فاتحہ ضروری ہے بخاریؒ اور بیہقیؒ کے نزدیک ۵۷
شاہ ولی اللہؒ کا مسلک ۵۸
امام بخاریؒ کے دلائل //
مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ۵۹
اِذَا قُرِئَ فَاَنْصِتُوْا ۵۹
امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے //
محض پراپیگنڈا ۶۰
امام شافعیؒ کے دو اقوال ۶۱
اس کے بعد //
درس ششم ۶۲
ترجمہ اور مفہوم //
دعائے سجدہ //
کلمات حمد ۶۳
سلسلہ چشت کی بارہ تسبیحات //
ظاہری اور باطنی نعمتیں //
افضل الذکر ۶۴
افضل الدعا //
طہارت نصف ایمان ہے ۶۵
الحمد کا اجر و ثواب //
ایمان والوں کی سات صفات ۶۶
اٹھارہ ہزار عالم //
قرآن کریم عظیم نعمت ۶۷
صفات الٰہی۔ رحمان و رحیم //
صفت رحمان و رحیم کی تمثیل ۶۸
اللہ تعالیٰ ماں سے بڑھ کر مہربان ہے //
چڑیا کی مثال ۶۹
بندہ بھی اپنے اندر رحمانی صفت پیدا کرے ۷۰
مالک یوم الدین ۷۰
تبلیغ دین مسلمان کا فرض ہے۔ ۷۱
درس ہفتم ۷۲
گذشتہ سے پیوستہ //
مؤخر کو مقدم کرنے کی وجہ //
مردم خیز خطہ ۷۳
توحید فی العبادات //
عبادت کی قبولیت صحت عقیدہ پر منحصر ہے۔ ۷۴
اللہ کا حق بندوں پر ۷۵
بندوں کا حق اللہ پر //
الوہیت کے لیے چار شرطیں ۷۶
توحید کے چار درجے ۷۸
شرک فی الصفات ۷۹
درس ہشتم ۸۱
گذشتہ سے پیوستہ //
عبادت کا مفہوم ۸۲
انسان مملوک ہے، مالک نہیں //
انسان مقدور ہے، قادر نہیں //
انسان کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ۸۳
معرفت الٰہی اور عبادت //
عبادت انتہائی عاجزی کا نام ہے ۸۴
عبادت یا تعظیم کی قسمیں۔ //

طلب رزق حلال عبادت ہے	۸۵
رضائے الٰہی کے لیے کیا جانے والا ہر کام عبادت ہے۔	״
مؤثر حقیقی ذاتِ الٰہی ہے	۸۶
شفا من جانب اللہ ہے	״
نذر لغیر اللہ	״
وظیفہ شیئاً للہ	۸۷
دینے والی ذات، ذات خداوندی ہے	״
اعضاء ظاہری کی عبادت	۸۸
اعضاء باطن کی عبادت	۸۹
اسباب کو مؤثر بالذات سمجھنا شرک ہے	״
استغراق فی العبادت	״
مختار کل اللہ ہی ہے	۹۰
عبودیت کے اثرات	״
حاصل کلام	۹۱
درس نہم	۹۲
گذشتہ سے پیوستہ	״
توکل علی اللہ	״
صراط مستقیم	۹۳
دین حق صرف اسلام ہے	۹۳
اسلام دین فطرت ہے	۹۴
فلسفہ دعائے صراط مستقیم	״
ہدایت کے لیے نمونہ کی ضرورت	۹۷
منعم علیہم کے چار درجات	۹۸
اجتماعی دعا کا فائدہ	״
دعا کا خلاصہ	״
منعم علیہم کون ہیں	۹۹
صالحین کے ساتھ خالی نسبت مفید نہیں	۱۰۰
عالمگیر نے بادشاہی میں فقیری کی	۱۰۱
حاصل کلام	۱۰۲
درس دہم	۱۰۳
گذشتہ سے پیوستہ	״
دعاء کا آخری حصہ	״
مقبول اور مردود گروہ	״
مغضوب علیہ گروہ	۱۰۴
مدینے کے یہودی	״
عدی بن حاتم طائی	۱۰۵
نصاریٰ کی گمراہی	۱۰۶
بڑھانا نہ حد سے زیادہ مجھے تم	״
گمراہی میں یہود و نصاریٰ کی مثل	۱۰۷
موجودہ زمانے کے اکثر پیر نصاریٰ سے مشابہ ہیں	״
عرس حضرت علی ہجویریؒ	״
قبر پر تعمیر کردہ تحریری ہے	۱۰۸
شیطان کے داخلے کے تین راستے	״
’ص‘ کا مخرج اور اس میں اختلاف	۱۰۹
نزول فاتحہ پر شیطان کا نوحہ	۱۱۰
آمین ۔ سری یا جہری	״
رفع یدین	۱۱۱
نماز میں ہاتھ باندھنا	״
فاتحہ خلف امام	״
آمین دعا ہے	۱۱۲

Marfat.com

درس اوّل

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ فاتحہ مکی ہے اور یہ سات آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ
نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ۙ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾ ع

(۱) سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جو پرورش کرنے والا ہے سب جہانوں کا
جو بے حد مہربان ــــ نہایت رحم کرنے والا ہے (۲) جو مالک ہے انصاف کے
دن کا (جزا کے دن کا) (۳) ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور خاص تجھ سے
ہی مدد چاہتے ہیں (۴) اے پروردگار ہدایت کر ہم کو (دکھا ہم کو) سیدھا راستہ (۵)
اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا (۶) ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب
ہوا۔ اور نہ گمراہوں کا (۷) (آمین)

(اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط)
میں پناہ حاصل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے

آج صرف اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کے بارے میں چند کلمات بیان کرتے ہیں۔

اذکار کی قسمیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اذکار دس قسموں پر ہیں اذکار یعنی ذکر۔

ایک قسم تسبیح ہے یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ جو انسان ذکر کرتا ہے دوسری قسم تحمید ہے۔ یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ یہ اللہ کا ذکر ہے۔ تیسری قسم تکبیر ہے یعنی اللہ اکبر

چوتھی قسم تہلیل ہے یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جیسے ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے۔ افضل الذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کا بیان ہوتا ہے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ایک ذکر یہ ہے اَللّٰہُ، اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ اَحَدًا یہ توحید بھی ذکر کی ایک قسم ہے۔

ایک ذکر کی قسم ہے جس کو حوقلہ کہتے ہیں۔ یعنی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اور ذکر کی ایک قسم ہے اس کو حسبلہ کہتے ہیں۔ حَسْبِیَ اللّٰہُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَحَسْبِیَ اللّٰہُ۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ حضور نے تعلیم دی ہے۔ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

اور ایک ہے بسملہ کسی اچھے مقصد یا اچھی بات کو شروع کرنے سے۔ پہلے بِسْمِ اللّٰہِ یہ بھی ذکر ہے۔

اور ایک قسم ہے استعانت۔ اَسْتَعِیْنُ بِاللّٰہِ میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں۔

Marfat.com

استعانت کے لفظ کے ساتھ بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اور ایک ہے تبارک جیسے تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ یا تَبَارَكَ اللّٰهُ اس لفظ کے ساتھ مختلف مواقع کے اندر اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دسویں قسم اللہ کے ذکر کی تعوذ ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ یا اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ

اعانتِ الٰہی کی ضرورت

یہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ استعاذہ یا تعوّذ اللہ کا ذکر ہے۔ اور اصل بات یہ ہے۔ کہ انسان جو بھی کام کرتا ہے۔ دنیاوی ہو یا دینی، اپنے ہر کام میں اللہ سے استعانت کا محتاج ہوتا ہے۔ نیکی کا کام اللہ کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتا۔ اور کسی برائی سے انسان خدا کی اعانت کے بغیر بچ نہیں سکتا۔

خدا کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو تو برائی سے ہٹ نہیں سکتا۔ اس لیے سب سے پہلے انسان کا فرض ہے کہ خدا کی پناہ حاصل کرے۔

پناہِ خداوندی

تعوذ کا معنی ہے خدا کی پناہ حاصل کرنا تاکہ انسان شیطان کے شر سے بچ سکے۔ کیونکہ انسان تو عاجز اور محتاج ہے۔ اور شیطان کے شر سے بچنے کے لیے سب سے پہلے خدا کی پناہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ دنیا کا قانون بھی یہی ہے۔ کہ انسان جب زبردست حاکم کی پناہ میں ہوتا ہے تو امن میں ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان جب احکم الحاکمین کی پناہ حاصل کرتا ہے۔ تو وہ جو بھی دینی یا دنیوی کام کرے گا شیطان کے شر سے بچ جائے گا، ورنہ بچ نہیں سکے گا۔

علم اور عمل

انسان کے حق میں جو چیزیں مفید ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک تو ہے علم یعنی عقیدہ اور دوسرا ہے عمل۔ تو انسان ان دونوں کے حاصل کرنے میں بہت ہی عاجز ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کو صحیح چیز حاصل ہو۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو اس چیز کا خواہشمند نہ ہو کہ اس

Marfat.com

کو اچھا اور صحیح عقیدہ حاصل ہو لیکن انسان اس کے حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ آپ جس سے بھی پوچھیں گے وہ کہے گا کہ ہاں مجھے اچھے اعتقاد کی ضرورت ہے۔ اور جہالت سے دُور رہنے کو ہر ایک انسان پسند کرے گا۔ لیکن یہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ کہ ان چیزوں کو خدا کی اعانت کے بغیر حاصل کر سکے۔ اگر یہ چیز انسان کے بس میں ہوتی تو دنیا میں صحیح عقیدے والے لوگ زیادہ ہوتے مگر ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں سچے عقیدے والے جھوٹے اور باطل عقیدے والوں کے مقابلے میں بہت تھوڑے ہیں۔ پانچ ارب کی آبادی میں صحیح عقیدے والی ایک ارب کی آبادی بھی نہیں ہے باقی سب فاسد عقیدہ رکھتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایمان والوں کی مثال ایسی ہے جیسے سیاہ بیل ہو اور اس کی پشت پر سفید بالوں کا ذرا سا دھبہ ہو، کافروں کے مقابلہ میں اور جہنمیوں کے مقابلے میں تمہاری تعداد اتنی ہے۔ بہر حال دنیا میں جھوٹے عقیدے اور باطل عقیدے رکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور صحیح عقیدہ رکھنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ یہ تو عقیدے کا معاملہ ہے۔ عمل بھی انسان جب حاصل کرتا ہے تو صحیح عمل حاصل کرنے میں بھی انسان عاجز ہے۔

حواس ظاہرہ و باطنہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں انسان کا جسم ایسا ہی سمجھ لو جیسے دوزخ۔ دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ اِسی طرح انسان کے جسم میں انیس چیزیں یا مرکز مقرر ہیں۔ جن کو حواسِ ظاہرہ و باطنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایک قوتِ باصرہ ہے یعنی دیکھنے والی قوت۔ ایک قوت سامعہ ہے یعنی سننے والی۔ قوت ذائقہ چکھنے والی قوت لامسہ یعنی چھونے والی اور ٹٹولنے والی قوت۔ قوت شامہ ہے یعنی سونگھنے کی قوت۔ یہ حواس ظاہرہ کہلاتے ہیں۔

حواس باطنہ وہ ہیں۔ جن کے اندر ہر وقت انسان کے سامنے چیزیں پیش ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً خیال ہے۔ جس کے اندر انسان چیزوں کی صورتوں کو جانتا ہے۔ قوتِ متفکرہ ہے جس کے ساتھ انسان غور و فکر کرتا ہے۔ قوتِ واہمہ ہے۔ کہ انسان کے وہم میں چھوٹی چھوٹی

Marfat.com

چیزیں بھی آتی رہتی ہیں۔ قوتِ حافظہ ہے جس کے اندر چیزیں محفوظ رہتی ہیں۔ اور بوقت ضرورت ان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ پانچ حواس باطنہ ہو گئے۔ اور پانچ ہی حواسِ ظاہرہ ہیں۔ کل دس ہو گئے۔

اس کے علاوہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے قوت شہوانیہ مسلط کر رکھی ہے۔ قوتِ غضبیہ بھی موجود ہے۔

بعض طبعی قوتیں اللہ نے انسان کے اندر رکھی ہیں۔ جیسے قوتِ جاذبہ جو چیزوں کو اپنی طرف جذب کرتی ہے۔ ایک قوت ماسکہ ہے۔ جو چیزوں کو ان کے فائدے کے وقت تک روک رکھتی ہے۔ جو غذا آدمی کھاتا ہے۔ اگر فوراً ہی نکل جائے تو انسان کے لیے سخت مضر ہے۔ اس سبب سے یہ قوت خوراک کو ایک خاص وقت تک روک رکھتی ہے۔

ایک قوت اللہ نے ہضم کرنے والی رکھی ہے۔ انسان کے جسم میں۔ معدے اور جگر کے اندر یہ قوت برابر ہے۔

آنتوں کے اندر ایک قوت ایسی ہے۔ جو انسان کو تغذیہ غذا بخشنے والی قوت غاذیہ ہے ایک قوت دافعہ ہے انسان کے جسم میں جو فضلات ہوتے ہیں یہ قوت ان کو باہر کی طرف دھکیلتی ہے۔ ہر قسم کے مواد کو خواہ وہ پسینے کی شکل میں ہو یا بول و براز کی شکل میں یا دودھ یا منی کی شکل میں۔ یہ سب فضلات کو باہر نکالتی ہے۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی تو انسان کے جسم میں حبس ہو کر تمام قوتیں فنا ہو جاتیں۔ اور انسان خراب ہو جاتا۔ یہ قوت بھی انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے رکھی ہوئی ہے۔

ایک قوت نامیہ ہے جو انسان کو نشو و نما اُس وقت تک دیتی ہے جس حد تک قانون قدرت میں اس کو بڑھنا ہے اگر اس سے آگے تک انسان کو بڑھنے دے تو انسان درخت کی طرح بن جائے۔ یا پہاڑ کی طرح اوپر ہی اوپر چلا جائے۔ قوت نامیہ کو حکم ہے کہ اسے روک دے اسی طریقے سے انسان کے اندر قوت مُوَلِّدہ بھی ہے۔ جب مواد تولیدی آتے ہیں تو اُن کو آگے کر کے پیدا کرنے والی بات کو ظاہر کرتی ہے۔

پناہ کی ضرورت

ان تمام قوائے ظاہرہ اور باطنہ میں سے ہر چیز کا میلان نفس کی طرف ہے یعنی نفس کی

خواہش کی طرف۔ تو ظاہر ہے ان تمام کے شر سے بچنے کے لیے انسان کو خدا کی پناہ حاصل ہونی چاہیئے۔ ورنہ وہ اِن ظاہری اور باطنی قوتوں کے شر سے نہیں بچ سکے گا۔

ہر ایک چیز کی نفسانی خواہش ہے۔ آنکھ حرام چیز کو دیکھنے کی خواہش رکھتی ہے۔ اس کے شر سے بچنے کے لیے ضروری ہے۔ کہ انسان خدا کی پناہ حاصل کرے۔

جب انسان عبادت کرتا ہے یا کوئی اور نیک کام کرتا ہے۔ تو اس کام میں رکاوٹ ڈالنے والی بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ اور انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان آڑے آتا ہے۔ کہ انسان عبادت نہ کرنے پائے۔ تو عبادت کرنے کے لیے سب سے پہلے اللہ کی پناہ حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ انسان عبادت کر سکے۔

تو تعوذ یا اعوذ باللہ کا یہی معنیٰ ہے یعنی پناہ لینا۔ میں پناہ لیتا ہوں اور التجا کرتا ہوں خدا تعالےٰ کے سامنے۔

یہ جو تعوذ ہے اس کے اندر اعتصام باللہ ہوتا ہے جیسے خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَاعۡتَصِمُوۡا۔ تو ایک مومن جب اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ پڑھتا ہے۔ تو اس کے ساتھ چنگل مارتا ہے۔ اس کی پناہ میں آنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں اعتصام ہے۔ اور بسم اللہ کے اندر توکل ہے اللہ کی ذات پر۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے اور نہایت ہی خطرناک دشمن ہے۔ کیونکہ یہ نظر بھی نہیں آتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں تو دیکھتا ہے مگر تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ جو دشمن نظر آئے گا اس سے بچنے کی آدمی کوشش بھی کر سکتا ہے مگر جو نظر نہیں آتا اس سے بچنا بڑا مشکل ہے۔ لہٰذا یہ خطرناک دشمن ہے۔ اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔ جس کے لیے انسان خدا کی پناہ حاصل کرے۔

شیطان کی حقیقت

شیطان، شطن کے مادے سے مشتق ہے۔ شطن کا معنیٰ بعد اور دُوری ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس لیے خدا سے دُور ہے حضرت شیخ یحییٰ منیریؒ کے مکتوب میں ہے

Marfat.com

کہ شیطان نے سات لاکھ برس خدا کی عبادت کی۔ لیکن ایک حکم کی نافرمانی کی تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ یہاں سے نکل جاؤ، دور ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ تم مردود ہو۔

تو شیطان شطن کے مادہ سے ہے یعنی یہ خدا کی رحمت سے دور ہونے والا ہے اور دوسروں کو بھی دور کرتا ہے۔ يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ یعنی اپنے گروہ کو بلاتا ہے کہ آؤ میرے ساتھ تاکہ دوزخ کے زیادہ ساتھی بنیں۔ یا شیطان شیط کے مادے سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ ہلاک ہونا ہے۔ تو شیطان ہلاک ہو گیا۔ کیونکہ اس نے نافرمانی کی اور سرکشی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ شیطان تمہارا دشمن ہے فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا پس اس کو اپنا دشمن سمجھو۔ وہ تمہاری نیکی پر کبھی راضی نہیں ہوتا۔ یہ ہے شیطان۔

اور رَجِيم کے معنیٰ مرجوم، مردود، مارا گیا، جب اوپر جاتا ہے۔ تو فرشتے بھی اُس پر رجم کرتے ہیں شہاب مارتے ہیں۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ مارا گیا۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے دُور کیا گیا

تعوّذ کی تعلیم

چونکہ شیطان دشمن ہے۔ اس لیے اِس سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ کی پناہ حاصل کی جاتی ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ تیسری صدی میں گزرے ہیں۔ خود امام تھے۔ بڑے پائے کے مجتہد بھی تھے۔ اور مفسّرِ قرآن بھی۔ اِس وقت جو تفسیریں موجود ہیں ان میں سب سے بڑی اور سب سے مقدم تفسیر انہیں کی ہے۔ یہ تیس۳۰ جلدوں میں ہے۔

امام ابن جریر طبریؒ نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ أَوَّلُ مَا نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اسْتَعِذْ ثُمَّ قُلْ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ یعنی سب سے پہلے جب جبرائیل آئے تو انہوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم! اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کریں اور پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہیں

دوسری روایت میں آتا ہے۔ کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ متصل یہ بات ہوئی تھی يَا مُحَمَّدُ اسْتَعِذْ تو آپ نے کہا أَسْتَعِيذُ بِاللهِ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ اور پھر آپ کو یہ پڑھایا گیا۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤

یہ پانچ آیتیں تھیں۔ تعوذ اور بسم اللہ اسی موقعہ پر آیا۔ روایات میں یہ بھی موجود ہے۔ کہ ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد جبرئیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرنے کا طریقہ بتایا۔ اور پھر نماز پر کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ یہ بات بالکل پہلی وحی کے ساتھ ہی ہوئی ہے۔

تلاوت سے پہلے تعوّذ

مسئلہ یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنا مسنون ہے۔ امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی قرآن پاک کی تلاوت ہو اس سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ جب قرآن پڑھو تو پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعاذہ کرو۔ قرآن پاک کا پڑھنا اور اس کی تلاوت بلند ترین عبادت ہے۔ اور شیطان اس کے اندر زیادہ رکاوٹ ڈالتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو۔

نماز میں تعوّذ

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ نماز کے لیے بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اور دوسرے بہت سے ائمہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ تلاوت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ جس نے قرآن پاک پڑھنا ہے۔ اس کے لیے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا مسنون ہے۔ اسی لیے مقتدی کے لیے نہیں۔ وہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُ پڑھیگا اور خاموش رہے گا۔ کیونکہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ قرات کے ساتھ ہے۔ اور وہ امام کے ذمہ ہے۔

تعوّذ۔ منہ کی پاکیزگی ہے

دوسری بات یہ ہے۔ کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ منہ کو پاک کرنے والی چیز ہے۔ انسان کی زبان

Marfat.com

سے بحیثیت انسان جھوٹ وغیرہ جو باتیں سرزد ہوتی ہیں اس کے لیے حکم دیا گیا کہ پہلے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم پڑھو تاکہ زبان پاک ہو جائے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کا کلام پڑھو۔
زبان کی طہارت اور پاکیزگی کے لیے مختلف الفاظ آتے ہیں۔ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بعض احادیث میں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ آتا ہے۔
اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ یا نَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ جمع کا صیغہ بھی آتا ہے۔ اِسْتَعَذْتُ بِاللّٰہِ پناہ پکڑی میں نے اللہ کے ساتھ۔ اور حمید ابن قیسؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْقَادِرِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الْغَادِرِ میں اللہ کی پناہ حاصل کرتا ہوں جو قادر ہے اور شیطان جو کہ غدار ہے اس کے شر سے بچنے کے لیے میں خدا کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔
ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْقَوِیِّ مِنَ الشَّیْطٰنِ الْغَوِیِّ میں پناہ حاصل کرتا ہوں اللہ کی جو قوی ہے اس شیطان سے جو غوی ہے یعنی گمراہ ہے، اس سے اللہ کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کا تعوّذ

قرآن پاک میں موجود ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب بنی اسرائیل نے گستاخی کی تو انھوں نے کہا تھا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ۔ پناہ بخدا کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

نوح علیہ السلام سے جب لغزش ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی تو فوراً انہوں نے کہا اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس بات سے تجھ سے کسی ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا بیٹا ہلاک ہو رہا ہے بچ جائے۔ مگر اللہ کا حکم تھا کہ اُس نے ہلاک ہونا ہے۔ اس کو نہیں بچانا۔
حضرت مریمؑ کے سامنے جب فرشتہ آیا تھا اور وہ مرد کی شکل میں تنہائی کے اندر آ گیا

Marfat.com

تھا۔ تو حضرت مریمؑ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں۔ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا میں اللہ کی پناہ میں آتی ہوں جو رحمان ہے، تجھ سے اگر تو تقی ہے یعنی خدا سے ڈرنے والا ہے۔ تو کیسے آگیا یہاں پیچھے ہٹ جا۔ تو گھبرا کر انہوں نے یہی الفاظ زبان سے نکالے تھے۔

اور جب مریمؑ پیدا ہوئی تھی تو ان کی والدہ نے یہ کہا تھا۔ اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ اے خداوند کریم میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود کے شر سے۔

جس وقت فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السّلام کو ہلاک کرنے کی دھمکی دی تھی تو انہوں نے کہا۔ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے رب کی، تمہارا رب بھی وہی ہے اس بات سے کہ تم مجھے پتھر مار کر ہلاک کرو۔ میں تو خدا کی پناہ میں ہوں۔

شیطان کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ جب تمہیں شیطان چھیڑ چھاڑ کرے تو فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ تو اللہ کی پناہ حاصل کرو۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

قرآن پاک میں خدا کا یہ حکم بھی ہے قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ۔ یعنی اے خدا میں تیری ذات کے ساتھ شیطان کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ چاہتا ہوں وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ خداوند کریم! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں کہ شیطان میرے نیک کام کے اندر خلل ڈالنے کے لیے حاضر ہوں۔

تعوّذ کے مختلف مواقع

نماز پڑھتے وقت یا کوئی اور عبادت کرتے وقت اور پھر قرآن پاک کی تلاوت کے وقت اللہ کی پناہ حاصل کی جاتی ہے جیسے کہ دو سورتوں میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ حدیث شریف کے اندر بھی بہت سے طریقوں سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کی تعلیم

دی گئی ہے۔

حضور نبی کریم حسنؓ اور حسینؓ کے جب دم کرتے تھے تو اُعِیذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ میں تم کو اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ وَّھَامَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ ہر شیطان سے اور ہر کیڑے مکوڑے کے شر سے اور ہر آنکھ سے جو نظر بد لگاتی ہے۔ ان سے میں اللہ تعالےٰ کے کلمات تامہ کے ساتھ تمہیں خدا کی پناہ میں دیتا ہوں۔

حضور علیہ السّلام کی تعلیم ہے کہ جب آپ کسی منزل پر کسی ٹھکانے پر اترتے تو یوں کہتے۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ میں اللہ کے کلمات تامہ کے ساتھ خدا کی پناہ چاہتا ہوں ہر اُس چیز کی برائی سے جس کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ فرمایا اگر ان کلمات کے ساتھ استعاذہ کرے گا تو جب تک اس مقام پر ہو گا اس کو ضرر نہیں پہنچے گا۔ حضور کا فرمان ہے

نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی آپ لبا اوقات یہ پڑھتے تھے اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ یعنی اللہ کے غضب سے خدا کے عقاب سے اور خدا کے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کی چھیڑ چھاڑ سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس بات سے کہ شیطان حاضر ہوں اور گمراہ کریں۔

نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو لبا اوقات حضور علیہ السلام پڑھتے تھے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ نَفْثِہٖ شیطان کے وسوسے سے شیطان کے تکبر سے اور اس کے سحر وغیرہ سے میں پناہ چاہتا ہوں۔

دیکھو! حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ جب بیت الخلاء جاؤ تو داخل ہونے سے پہلے۔ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اے خدا میں مذکر شیطان اور مادہ شیطان کے شر سے تیری پناہ حاصل کرتا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم دی ہے کہ جب انسان سفر کے اندر جائے تو کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ۔ خداوند کریم میں تیری ذات کی پناہ چاہتا ہوں سفر کی تھکاوٹ سے اور پلٹ کر واپس آکر غمگین منظر دیکھنے سے یعنی سفر سے پلٹوں تو غمگین منظر دیکھنے میں نہ آئے۔ اور ترقی کے بعد

تنزل سے میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ نیکی کے بعد انسان بدی میں چلا جائے۔ بلندی کے بعد پستی میں چلا جائے۔

اور یہ بھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ خداوند کریم! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں غم اندیشے عاجزی اور کسل سے۔

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ اے اللہ! مجھ کو میری نیکی کی بابت الہام فرما اور مجھ کو میرے نفس کے شر سے بچا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ۔ اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں۔

فرمایا جب تم بیوی کے قریب جاؤ تو وہاں بھی تعوذ کرو اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا۔ برہنا ہونے سے پہلے بیوی کے قریب جاکر اگر ایسا کرنیگا تو شیطان کے اثرات سے محفوظ رہے گا۔ ورنہ اولاد میں شیطانی اثرات ہوں گے۔ اور اسی طریقہ سے فراغت کے بعد اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ لِلشَّیْطٰنِ نَصِیْبًا فِیْ مَا رَزَقْتَنَا۔ جو کچھ تو نے ہم کو رزق عطا کیا ہے اولاد کے سلسلہ میں اس میں شیطان کا حصہ نہ بنانا۔ یہ تعلیم ہے۔

ابن ابی ملیکہؓ جو تابعین میں سے ہیں وہ نہایت ہی عاجزی کے ساتھ دعا کیا کرتے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ اَنْ تَرْجِعَ عَلٰۤی اَعْقَابِنَا اَوْ نُفْتَنَ فِیْ دِیْنِنَا اے اللہ! ہم تیری ذات کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی ایڑیوں پر پیچھے الٹ جائیں اور یا یہ کہ ہم دین کے اندر فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔ نہایت ہی عاجزی کے ساتھ یہ دعا مانگتے۔

حضور علیہ السلام نے بھی تعلیم کے اندر فرمایا اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ۔ اے اللہ! دولت مندی کے شر سے بھی اور فقر کے شر سے بھی میں تیری پناہ حاصل کرتا ہوں اضافی طور پر انسان کے لیے یہ دونوں شر ہوتے ہیں۔ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ اُس کے شر سے بھی جو مجھ سے سرزد ہوا اور اُس کے شر سے بھی جو مجھ سے سرزد نہیں ہوا۔ مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْلَمْ اس کے شر سے بھی جس کو میں جانتا ہوں۔ اور اس کے شر سے بھی جس کو میں نہیں جانتا۔

Marfat.com

دشمن کے سلسلہ میں پناہ حاصل کرنے کے لیے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ
اے اللہ! ہم تجھے ہی ان کے سینوں کے سامنے کرتے ہیں اور ان کے شر سے بچتے ہیں۔
وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ یعنی دشمنوں کے شر سے۔

اسی طرح دو آدمی لڑ پڑے۔ ایک دوسرے کو گالی گلوچ دینے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا جو گالیاں دینے والا تھا، زیادہ غصے میں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں ایک کلمہ ایسا جانتا ہوں اگر یہ کلمہ اپنی زبان سے ادا کرے تو اس کا غصہ فوراً دور ہو جائے۔ پھر آپ نے فرمایا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

رات کو آنے والے فتنوں سے بھی پناہ کی ضرورت ہے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ طَوَارِقِ اللَّیْلِ اے اللہ! ہم رات کو آنے والے فتنوں سے بھی تیری پناہ چاہتے ہیں۔

حاصل کلام

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کی حکمت یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم کی تلاوت بڑی بلند عبادت ہے تو اس کی تلاوت میں شیطان بہرحال رکاوٹ ڈالے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کی جائے تاکہ آدمی اس کے شر سے محفوظ ہو سکے۔

Marfat.com

درس ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گذشتہ سے پیوستہ

کل اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کے معنیٰ اور بعض ضروری مسائل کا ذکر تھا۔

آج بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے متعلق بعض مسائل اور ضروری باتیں ہوں گی۔

کل بھی عرض کیا تھا۔ کہ اَعُوذُ بِاللّٰہِ کے اندر اعتصام باللہ کی تعلیم ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے ساتھ چنگل مارنا اور اس کی پناہ حاصل کرنا۔ تاکہ انسان دشمن اور شیطان اور تمام شرور سے بچ سکے۔

اب بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے اندر دو باتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور دوسرا اس پر بھروسہ اور توکل ہے۔

بسم اللہ — جزوِ سورۃ یا جزوِ قرآن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۃ نمل کی ایک آیت کا جزو ہے۔ قرآن پاک میں جہاں حضرت سلیمان علیہ السّلام کے مکتوب مبارک کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے مملکتِ سبا کی ملکہ کو لکھا تھا۔ تو اس کے اندر تھا۔ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو یہ گویا آیت کا جزو ہے۔

اس کے علاوہ جہاں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ کہ آیا بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو ہے یا نہیں۔ احناف اور بہت سے علماء کرام فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک کا جزو ہے کہ اس کی ایک آیت ہے۔ لیکن ہر سورۃ کی آیت نہیں ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ کی بھی آیت نہیں ہے۔ سورۃ فاتحہ کی جو سات آیتیں ہیں ان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شریک نہیں ہے۔ البتہ قرآن کا جزو ہے۔ اور اللہ نے اس آیت مبارکہ کو سورتوں کے درمیان فاصلے کے لیے نازل فرمایا۔ کہ اس سے ایک سورت کا دوسری سے امتیاز ہوتا ہے۔

135367

Marfat.com

اور جو لوگ اس کو ہر سورۃ کا جزو مانتے ہیں وہ اس کو نماز میں بلند آواز سے بھی پڑھتے ہیں احناف کے نزدیک چونکہ یہ سورۃ کا جز و نہیں ہے، اس لیے رمضان المبارک میں تراویح کے دوران قاری صرف ایک دفعہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ باقی آہستہ۔

ہر کام کی ابتدا ــــــ بسم اللہ

مشرکین کا طریقہ اور خیال ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنے کاموں کی ابتدا معبودانِ باطلہ کا نام لے کر کرتے ہیں۔ نصاریٰ جب کام شروع کرتے ہیں تو وہ باپ، بیٹا اور روح القدس کا نام لیتے ہیں۔ انہیں جو کام بھی کرنا ہو اسی نام سے شروع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا یہ سب مشرکانہ باتیں ہیں۔ اس لیے اہل ایمان کو حکم ہوا کہ جب کسی کام کی ابتدا کرو تو اللہ تعالیٰ کے نام سے کرو۔ اس میں شرک کی تردید بھی ہو گئی جیسا کہ قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں یہ بات موجود ہے مثلاً اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۔ یعنی پڑھو اپنے رب کے نام سے اور اس کے ذکر سے ابتدا کرو وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۔ اپنے رب کا نام ذکر کرو اور علیحدگی اور تنہائی میں بھی اس کی خاص عبادت کرو۔ نماز کے تذکرہ میں آتا ہے وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى یعنی اس نے اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی۔ تو فلاح نصیب ہوگی۔ اور اسی طریقہ سے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا یعنی اپنے رب کا نام صبح شام لیتے رہو یعنی ہمیشہ۔

بغیر وضو قرآن پاک کو چھونا مکروہ تحریمی ہے

چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک کا جزو ہے۔ اس لیے بغیر وضو اس کو ہاتھ لگانا مکروہ ہے۔ جیسا کہ بغیر وضو کے قرآن پاک کو ہاتھ لگانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم کسی کاغذ پہ لکھی ہوئی ہو تو اس کو بھی بغیر وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ قرآن کی آیت ہے اگرچہ ہر سورۃ کی آیت نہیں ہے۔

حیض و نفاس کی حالت میں بھی بطور قرآن اس کا پڑھنا درست نہیں۔ ہاں بطور دعا اور تبرک کے جائز ہے۔ کھانا کھاتے وقت، کپڑے پہنتے وقت حیض و نفاس والی عورت بھی پڑھ

Marfat.com

سکتی ہے۔ کیونکہ ذکر کی ہر حالت میں اجازت ہے۔ لیکن قرآن کی تلاوت کے طور پر پڑھے گی۔ تو گنہگار ہوگی۔ کیونکہ یہ بھی قرآن کا جزو ہے۔

بسم اللہ نماز میں

جب نماز شروع کی جاتی ہے تو اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بالاتفاق مستحب ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو آہستہ پڑھنا چاہیئے۔ یعنی اعوذ باللہ بھی اور بسم اللہ بھی بلند آواز سے نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو ان میں سے کوئی بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے نہیں پڑھتا تھا۔ بلکہ آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔ لہٰذا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ آواز سے پڑھیں۔

پہلی رکعت کے بعد جب دوسری رکعت شروع ہوتی ہے تو اس کے شروع میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے۔ سورۃ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ پڑھنے کے درمیان مستحب ہے لہٰذا بہتر ہے کہ اس کو پڑھ لیا جائے۔ چھوڑا نہ جائے۔ اگر کوئی نہ پڑھے تو بہرحال نماز میں کسی قسم کا خلل نہیں آئے گا۔ نماز سنت کے مطابق ہی ادا ہوگی۔

بسم اللہ کیوں ضروری ہے

ہر اچھا کام اللہ کے نام اور اس کے ذکر سے ہی شروع کرنا چاہیئے۔ لہٰذا ہر کام کے آغاز میں بسم اللہ کہنی چاہیئے۔ اس لیے کہ روایت میں آیا ہے۔ کُلُّ اَمْرٍ ذِی بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ۔ یعنی ہر اچھا کام، جائز کام، شان والا کام، مباح کام اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہیں کیا جائے گا تو وہ ایسا ہے جیسے جانور کا دم کٹا ہوا ہوتا ہے وہ کام بے برکت ہوگا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ ہر وہ خطبہ جس کی ابتدا میں اللہ تعالےٰ کا نام ذکر نہ کیا جائے وہ اجذم ہوتا ہے۔ یعنی ایسا ہوتا ہے جیسے جذام والے آدمی کی انگلیاں وغیرہ گلی ہوئی ہوتی ہیں۔

Marfat.com

بعض اوقات لیڈر حضرات "لیڈیز اینڈ جنٹلمین" کے نام سے تقریر شروع کرتے ہیں، نہ اللہ کا نام، نہ الحمد للہ، نہ بسم اللہ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے جذامی آدمی کے ہاتھ یا انگلیاں کٹی ہوئی ہوں جذام کی بیماری سے اعضاء گل سڑ جاتے ہیں تو آدمی کتنا بدنما معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جو خطبے اللہ کے نام سے شروع نہ کئے جائیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ہر جائز کام میں بسم اللہ

تبرک اور اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کے لیے ہر جائز کام کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰہِ کہنا سنت ہے، مستحب ہے۔ جائز کام کی قید اس لیے ہے کہ حرام کام کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں کہنی چاہیئے۔ ورنہ کفر کا خطرہ ہوگا کہ آدمی کافر ہی نہ بن جائے۔ لہٰذا ہر جائز کام کی ابتدا میں اللہ کا نام لینا چاہیئے۔ اور بِسْمِ اللّٰہِ کہنی چاہیئے۔

ذبح کے وقت بسم اللہ

البتہ جس وقت جانور کو ذبح کیا جاتا ہے، اس وقت اللہ کا نام لینا فرض ہوتا ہے۔ عام کام کے وقت سنت ہے۔ جیسا کہ امام طحاویؒ نے اپنی کتاب "شرح معانی الآثار" میں لکھا ہے ہے کہ یہ ملّت کا شعار ہے۔ اگر جانور کو بغیر بسم اللہ پڑھے ذبح کیا گیا ہے تو وہ ملّت کے شعار سے خالی رہ گیا۔ ایسا جانور مردار ہوگا، اس کا گوشت کھانا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہاں وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ یعنی اونٹ صف بستہ کھڑے ہیں، اللہ کا نام لے کر ان کو نحر کرو۔ یہ امر کا صیغہ ہے۔ اُدھر سورۃ انعام میں فرمایا ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، بسم اللہ اور اللہ اکبر نہ کہا گیا ہو۔ یہ ناجائز اور حرام ہے، مردار ہے۔ اللہ کا نام لینے سے اس کے اندر پاکیزگی اور برکت پیدا ہوتی ہے۔

کھانے کے آداب

حضور علیہ السلام کھانے کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک بچے نے آکر کھانے

Marfat.com

میں ہاتھ ڈال دیا اور دوسرے کے آگے بھی ہاتھ بڑھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بچے کو بٹھایا اور اس کو سمجھایا کہ اللہ کا نام لو قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پہلے بسم اللہ کہو وَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ دائیں ہاتھ سے کھاؤ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ سارا کھانا ایک جیسا ہے۔ اس لیے اپنے سامنے سے کھاؤ۔ اگر کھانا مختلف قسم کا ہے۔ تو دوسرے کے آگے بھی ہاتھ ڈالنا جائز ہے۔ یہ فرما کر حضور نے کھانے کی تعلیم دی۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ ابوایوب انصاریؓ کھانا کھا رہے تھے اور کھانے میں بڑی برکت معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن آخر میں کھانا بے برکت ہو گیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ حضور! کھانے میں بڑی برکت معلوم ہو رہی تھی۔ جب کھانا ختم ہوا تو کچھ برکت نظر نہیں آ رہی۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے جب کھانا شروع کیا تو اللہ کا نام لے کر شروع کیا تھا۔ بعد میں جو آ کر شریک ہوا اس نے اللہ کا نام لیے بغیر ہی کھانا شروع کر دیا۔ لہٰذا اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہو گیا۔ اور کھانے کی برکت ختم ہو گئی۔

حرف "ب" کے معانی

بِسْمِ اللّٰهِ میں جو "ب" ہے یہ ابتداء کے لیے ہوتی ہے۔ ابتداء کا معنیٰ یہ ہو گا کہ میں اللہ کا نام ذکر کرنے سے ابتداء کرتا ہوں۔ اس کا معنیٰ مصاحبت بھی ہوتا ہے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نام کی رفاقت سے یہ کام شروع کرتا ہوں۔ حرف "ب" تبرک کے لیے بھی آتا ہے یعنی میں یہ کام اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے شروع کرتا ہوں۔ یہ حرف استعانت کے لیے بھی ہوتا ہے۔ یعنی میں یہ کام اللہ تعالیٰ کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔ "ب" کے یہ سارے معنے آتے ہیں، یہاں یہ سب لگتے ہیں۔

اللہ کے تین نام۔ اُن کی خاصیّت

ہر کام خواہ دنیوی ہو یا اُخروی، تین باتوں پر موقوف ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے تین اسمائے پاک مذکور ہیں۔ ایک اللہ دوسرا رحمٰن اور تیسرا رحیم۔ پہلی بات یہ ہے۔ کہ اس کام

Marfat.com

کے تمام اسباب بھی فراہم ہوں، تب کام ہوگا۔ اسباب کے فراہم کرنے پر اسم پاک اللہ کا تصرف ہوتا ہے۔

ان اسباب کو کام ختم ہونے تک باقی رکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اسباب درمیان میں ختم ہو جائیں تو کام درمیان میں رہ جائے گا۔ ان اسباب کو آخر تک قائم رکھنا اسم رحمٰن کا تقاضا ہے۔ اسم رحمان کی صفت کام کر رہی ہے۔

کام کے بعد نتیجہ مرتب کرنا اور اس کا ثمرہ حاصل کرنا اسم رحیم کی صفت کے تقاضے سے پورا ہوتا ہے۔

لہٰذا ہر کام میں یہ تین باتیں ضرور ہوں گی اور اس کو مکمل کرنے کے لیے یہ تین اسمائے پاک ہیں جن کو ذکر کیا گیا ہے۔

ٹھوکر لگنے پر بسم اللہ کہنا

مسند احمد کے اندر یہ روایت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام ایک سواری پر سوار تھے۔ آپ کے ساتھ پیچھے صحابی سوار تھے۔ یعنی آپ کے ردیف تھے۔ سواری کے جانور کو ٹھوکر لگی۔ تو عربوں کے دستور کے مطابق پیچھے بیٹھنے والے صحابی کے منہ سے نکلا تَعِسَ الشَّیْطٰنُ شیطان ذلیل ہو۔ جب کسی کو ٹھوکر لگ جاتی، گر جاتا تو عرب کہتے تَعِسَ الشَّیْطٰنُ یا تَعِسَ فُلَانٌ فلاں آدمی ذلیل ہو۔ اپنے دشمن کو گالی دیتے تھے، یا شیطان کو برا کہتے تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ایسا نہ کہو۔ کیونکہ جب تم ایسا کہتے ہو تو شیطان پھول جاتا ہے اور اس کے اندر اکڑ پیدا ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہاں میں بھی کوئی ہستی ہوں کہ میرا بھی لوگ خیال کرتے ہیں۔ اور مجھ سے بھی ڈرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب ایسی بات ہو تو بِسْمِ اللّٰہِ کہا کرو۔ اس سے شیطان حقیر اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ تَصَاغَرَ، صغیر، حقیر اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نام میں اتنی برکت ہے۔

صلح حدیبیہ اور بسم اللہ

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے جو صلح نامہ لکھا تھا اس پر کافروں نے انکار کر دیا کہ ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہوتا ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی بجائے اسی طرح

Marfat.com

لکھو جیسے پہلے لکھا کرتے تھے یعنی بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ۔ اس طرح کافروں نے جہالت کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ آیت نازل فرمائی۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اللہ کے لفظ سے خدا کو یاد کرو یا رحمان کے لفظ سے، اس کے سب بھلے نام ہیں۔

لفظ اللہ کی حقیقت

لفظ اللّٰہ ذاتِ الوہیت کے لیے آتا ہے۔ فارسی میں خدا کہتے ہیں۔ اور عربی یا عبرانی میں اِلٰہ یا اللّٰہ ہوتا ہے۔ اللہ کا معنی ہے وہ ذات جو واجب الوجود ہے۔ اور مستجمع ہے جمیع صفاتِ کمال کے لیے اور مبرا ہے نقص اور زوال سے۔ لفظ اللہ کے اندر یہ ساری حقیقت پوشیدہ ہے۔ تمام صفاتِ کمال اس کے اندر موجود ہیں، زوال اور نقصان سے مبّرا اور پاک ہے، اور واجب الوجود ہے کہ اس کا وجود خود بخود ہے۔ اس کے علاوہ کسی کا وجود از خود نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔

لفظ رحمان اور رحیم کا مفہوم

حکمت کے مطابق لفظ رحمٰن کا مفہوم ہے وجود اور کمالات کا فیضان کرنے والا۔ رحمٰن عام ہے اسی لیے بعض کہتے ہیں کہ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ رحمٰن کی صفت دنیا اور آخرت دونوں میں آگئی۔ اور رحیم آخرت کے ساتھ مخصوص ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر خاص مہربانی آخرت کے اندر فرمائے گا۔ وہاں کافروں پر نہیں ہوگی۔ یہ بات شیخ ابن عربیؒ نے فرمائی ہے۔

اوّل و آخر۔ قرآن بس

سمجھ لو کہ قرآن پاک کی ابتدا بِسْمِ اللّٰهِ کے "با" سے ہوئی ہے اور انتہا النَّاس کے س پر۔ اِس میں اشارہ یہ ہے کہ کونین میں قرآن ہی بس ہے۔ ثنائی جو بڑے بزرگ اور شاعر تھے انہوں نے کہا ہے۔ ؎

اول و آخر قرآن زیں چہ با و سین ۔۔۔ یعنی اندر راہِ دیں رہبر تو قرآن بس

Marfat.com

قرآن پاک "با" سے شروع ہوا ہے اور "س" پر ختم ہوا ہے یعنی دین کے راستے میں تیری راہنمائی وراہبری کے لیے قرآن کافی ہے۔

یہ بھی شعر سنائی کا ہے۔ جنہوں نے کہا ہے۔

گرد قرآں گرد زانکہ ہر کہ از قرآں گرفت!
آں جہاں رست از عقوبت ایں جہاں رست از فتن

قرآن کے گرد ہی گھومو۔ اس لیے کہ جو قرآن سے اخذ کرے گا۔ اس جہاں میں سزا سے بچ جائے گا اور اس جہاں میں فتنوں سے بچ جائے گا۔ یہ قرآن کی برکت ہوگی۔

انسان کی تین حالتیں

انسان کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی حالت اس جہاں میں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ انسان کا معبود ہے اگر وہ اس جہان میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا ہوگا تو وہ اس کی راہبری کرے گا اور دستگیری فرمائے گا۔ اگر صحیح معنیٰ میں نام لینے والا ہوگا۔

دوسری حالت قبر اور برزخ کی ہے۔ اگر انسان خدا کا نام لینے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان قبر اور برزخ میں اس کے ساتھ مہربانی کرے گی۔

تیسری حالت عالم آخرت کی ہے۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمی کا بے حد و بے انتہا مظاہرہ ہوگا۔ جو انسان اللہ کا نام لینے والا ہوگا۔ صفت رحیم کے فیضان سے اس کو آخرت میں بہت کچھ نصیب ہوگا۔

دوزخ سے رہائی

لطیفے کی بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے عظیم اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ بات فرمائی کہ دیکھو بھائی دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں سزا دینے کے لیے عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (سورۃ مدثر) اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بھی انیس حروف ہیں۔ جو آدمی اس کو پڑھے گا دوزخ کے عذاب سے بچے گا۔ اگر اس کے اندر ایمان موجود ہے۔ تو دوزخ کے عذاب سے بچ جائے گا

اسمائے مبارکہ کا فیضان

امام رازیؒ نے نقل کیا ہے۔ کہ علمائے کرام فرماتے ہیں۔ اللہ تعالٰی کے پانچ ہزار اسمائے مبارکہ ہیں۔ تورات، زبور، انجیل، لوحِ محفوظ، قرآن اور سنّت میں۔ بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالٰی کے تین ہزار اسمائے مبارکہ ہیں۔ ایک ہزار فرشتے جانتے ہیں۔ ایک ہزار انبیاء علیہم السّلام جانتے ہیں، تین سو تورات میں ہیں، تین سو زبور میں، تین سو انجیل میں اور ننانوے اسمائے پاک قرآن میں مذکور ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے تین اسماء پاک اللہ۔ رحمن۔ رحیم۔ پڑھنے والا ایسا ہے۔ جیسے وہ اللہ کے تین ہزار نام پڑھ رہا ہو۔ یہ حضرت امام مولانا یعقوب چرخیؒ جن کی قرآن کی تفسیر بھی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

اللہ تعالٰی کا نام لینے کی برکت اور اس کے فیضان سے متعلق امام رازیؒ نے ایک اور بات فرمائی کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے پیٹ میں ایک دفعہ بہت زیادہ درد ہوا۔ تو انہوں نے اللہ تعالٰی کے سامنے التجا کی۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اے موسٰی! جنگل میں جاؤ اور وہاں سے فلاں بوٹی کھاؤ چنانچہ موسٰی علیہ السّلام جنگل میں تشریف لے گئے۔ وہ بوٹی اکھاڑ کر کھائی تو درد کا آرام ہوگیا۔ شفا ہوگئی۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اسی طرح پھر کسی موقعہ پر پیٹ میں درد اٹھا۔ تو موسٰی علیہ السلام نے جاکر اُس بوٹی کو کھایا تو اس درد میں اور اضافہ ہوگیا۔ عرض کی یا اللہ! اس میں کیا حکمت ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا اے موسٰی! یہ ساری تاثیر میرے حکم اور میرے نام کی برکت سے ہے۔ پہلی دفعہ میں نے کہا تھا کہ جاکر بوٹی کھاؤ۔ دوسری دفعہ تم خود بخود گئے تھے۔ میرے حکم سے نہیں گئے تھے بلکہ اپنی مرضی سے گئے تھے۔ تاثیر تو سب اللہ کے نام اور اس کی برکت میں ہے۔

بسم اللہ کی برکت

امام رازیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ ابو طالب مکیؒ نے لکھا ہے۔ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ایسا متبرک کلمہ ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام کا ایک قبر پر گذر ہوا۔ دیکھا کہ فرشتے اس قبر والے کو سزا دے

رہے ہیں عیسیٰ علیہ السلام چلے گئے۔ پھر کسی موقعہ پر اِس قبر سے گذرے تو دیکھا کہ وہاں پر رحمت کے فرشتے آئے ہوئے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں نورانی طبق پکڑے ہوئے ہیں۔ عیسےٰ علیہ السلام کو تعجب ہوا۔ انہوں نے نماز پڑھی اور اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ زمین کے اوپر اِس شخص کا بچہ میرا نام لے رہا ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ رہا ہے تو میں زمین کے نیچے اِس کو سزا کیوں دوں۔ میں نے اس کو معاف کر دیا یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکات ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ ابوطالب مکیؒ نے لکھا ہے۔ کہ جب لوگ گناہ کرتے ہیں تو خدا کا غضب بھڑکتا ہے۔ مگر جب مسجدوں اور مکاتب میں بچے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے ہیں۔ تو خدا کا غضب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ اس نام میں برکات ہیں۔ اِس لئے مسلمانوں کی ملّت کا یہ شعار ہے۔ کہ ہر کام کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ جب قرآن کریم پڑھا جاتا ہے نماز پڑھی جاتی ہے۔ جو بھی کام کیا جاتا ہے اس کے ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی جاتی ہے۔ یہ قرآن کا جزو اور آیت ہے، ہر سورۃ کا جزو نہیں ہے۔ سورتوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے خدا تعالےٰ نے اِس کو نازل فرمایا۔

Marfat.com

درس ۳

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

گذشتہ سے پیوستہ

کل بسم اللہ کے متعلق عرض کیا تھا۔ اسکی فضیلت اور اس کے مسائل بیان ہوئے تھے اب سورۃ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرنے سے پہلے قرآن کریم کے بارے میں کچھ باتیں تمہید کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں اس کے بعد سورۃ فاتحہ کے بارے میں ذکر ہوگا۔ قرآن کریم سے تعلق رکھنے والے کچھ مسائل بھی ہیں ان کو ذہن میں رکھنا چاہیئے۔

بسم اللہ کے متعلق ایک حدیث آئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ کہ جو آدمی بغیر بسم اللہ کہے ہوئے وضو کرتا ہے۔ تو اس کے صرف وضو والے اعضاء ہی پاک ہوتے ہیں اور نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن اگر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہہ کر وضو کریگا تو اس کا سارا جسم پاک ہو جائے گا۔

کیا تلاوت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے؟

قرآن کریم کے متعلق چند مسائل ہیں وہ ذہن میں رکھنے چاہئیں۔ ایک مسئلہ قرآن کریم کی تلاوت کے بارے میں ہے کہ اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے یا نہیں۔ یہ اتفاقی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس میں ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کہتے ہیں۔ کہ جو آدمی تلاوت قرآن کریم کرے گا، اس کا فائدہ خود اس کی اپنی ذات کو ہوگا۔ دوسروں کے لیے اس کا فائدہ نہیں ہو سکتا لہذا وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو ثواب پہنچانا ہو تو اس کی طرف سے صدقہ خیرات یا حج یا عمرہ کرنا چاہیئے کہ ان چیزوں سے اس کو ثواب ہوتا ہے۔ تلاوت قرآن پاک کا ثواب نہیں ہوگا۔

Marfat.com

ہمارے امام، امام اعظم ابوحنیفہؒ جن کے فتوے پر ہم لوگ چلتے ہیں اور جن کی تقلید کرتے ہیں فروعات، دین میں اور دوسرے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح صدقے اور خیرات کا ثواب دوسروں کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں امید ہے اسی طریقے سے تلاوت قرآن پاک کا ثواب بھی پہنچے گا۔ تو قرآن کریم کی تلاوت کر کے اگر اس طرح دعا کرے کہ جو کچھ میں نے تلاوت کی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرے اور اس کا ثواب جس کو پہنچانا ہو پہنچا دے، انشاء اللہ ثواب پہنچے گا۔ اکثر حضرات اسی پر عمل کرتے۔ ان دونوں اماموں کی تحقیق بھی یہی ہے۔ کہ تلاوت قرآن پاک کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

صرف نفلی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے

ایک قانون والی بات بھی ہے۔ ہمارے فقہائے حنفیہ فقہ کی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے اجازت ہے۔ کہ اپنا نفلی عمل جس کو چاہے بخش سکتا ہے۔ فرائض، واجبات اور سنن نہیں کیونکہ وہ تو اپنے لیے ضروری ہیں۔ نماز نفلی پڑھتا ہے۔ روزہ نفلی رکھتا ہے۔ حج نفلی کرتا ہے تو اس طریقہ سے نیک اعمال کے اندر تلاوت قرآن بھی شامل ہے، یہ بخش سکتا ہے۔ اس کا بھی فائدہ ہو گا۔

قرآن کریم یاد کر کے بھلا دینا گناہِ کبیرہ ہے

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کو یاد کر کے بھلا دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن پاک یا کسی سورۃ یا کسی آیت کو یاد کر کے بھلا دینا یہ کبیرہ گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بِئْسَ مَا لِاَحَدِ اَنْ یَّقُوْلَ نَسِیْتُ اٰیَۃَ کَذَا وَکَذَا کسی آدمی کے لیے برا ہے کہ وہ کہے کہ میں فلاں سورۃ، فلاں آیت بھول گیا۔ اگر بھولنے کی بات ہی کرنی ہو تو کہے نُسِّی بھائی میری بدقسمتی تھی مجھ سے بات بھلا دی گئی۔ نسیان کو بھی اپنی طرف منسوب نہ کرے اس میں بھی بے ادبی پائی جاتی ہے۔ میں بھول گیا والی بات بھی اللہ کو پسند نہیں لہذا جو حصہ کسی کو یاد ہو اسے پڑھتا رہے تاکہ یاد رہے بھلا دے گا، تو گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو گا۔

Marfat.com

قرآنِ کریم کو ذریعہ معاش بنانا حرام ہے

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو ذریعہ معاش نہ بنائے یہ بھی حرام ہے۔ ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے کہ قرآن کے ذریعے کمائی کرے۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب۔ تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ظالم آدمی کے پاس قرآن پاک اس نیت سے پڑھتا ہے کہ میری وقعت بڑھ جائے تو فرمایا کہ قانون تو یہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک حرف پڑھنے والے کو دس نیکیاں حاصل ہوں گی مگر مذکورہ صورت میں ظالم آدمی کے پاس پڑھنے والے پر ہر ہر حرف پر دس دس لعنتیں برسیں گی۔ بجائے اس کے کہ دس دس رحمتیں نازل ہوں۔

امام بخاریؒ نے تاریخ میں تین کتابیں لکھی ہیں یعنی تاریخ صغیر، تاریخ کبیر اور تاریخ اوسط اور یہ بخاری تو ہے ہی مشہور" الصحیح للبخاری" تاریخ کبیر نو جلدوں میں ہے اور تاریخ صغیر ایک جلد ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ قرآن پڑھو اور اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یہ بہت بُری بات ہے۔

ختمِ قرآن پر اجتماعی دعا مستحب ہے

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ تلاوت کے بعد جب قرآن پاک ختم ہو تو اس وقت اکٹھا دعا مانگنا دوسروں کو بھی دعا میں شریک کرنا مستحب ہے۔ اور مستجاب ہے۔ اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرماتا ہے وہ مقامات جن کے اندر دعا قبول ہوتی ہے قرآن کریم کے ختم کرنے کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے، یہ بھی مستجاب دعاؤں کے اوقات میں شمار ہوتی ہے۔

قرآن کریم کا سننا سنت ہے

جس طرح قرآن کریم کا پڑھنا ایک ضروری امر ہے، فرض بھی ہے واجب بھی ہے، سنت بھی ہے مستحب بھی ہے، اپنے اپنے لحاظ سے اُسی طریقہ سے قرآن کا سننا بھی سنت ہے۔ اگر خود نہیں پڑھ رہا کوئی دوسرا پڑھ رہا ہے تو اس سے سنے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

سے فرمایا۔ کہ میرے سامنے قرآن پڑھ۔ عرض کیا حضور! میں آپ کے سامنے پڑھوں۔ آپ پر تو اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے، آپ پڑھ کر سناتے ہیں۔ اَنَا اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَ مِنْ غَیْرِیْ یعنی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں قرآن کریم دوسرے کی زبان سے سنوں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۃ نساء پڑھنی شروع کی اور کئی رکوع پڑھ گئے۔ جب اس آیت پر پہنچے جہاں قیامت کا ذکر ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی ہر امت پر ہم گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ لائیں گے۔ آپ نے پلٹ کر دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خاموش ہو گئے، پڑھنا روک دیا۔ جب کوئی دوسرا قرآن کریم پڑھ رہا ہو، تو مناسب ہے، بات چیت اور کام روک دے اور اس کو سنے۔

خوش الحانی مستحب ہے

قرآن کریم کا خوش الحانی کے ساتھ اچھے لہجے میں پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن لہجہ وہ ہو جو عربوں کا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ عربوں کے لہجے میں قرآن کو پڑھو خوش آوازی سے پڑھو۔ شعر و شاعری اور گانے کے لہجے میں پڑھنا حرام ہے۔ اور ناجائز ہے۔ بلکہ قرآن کی توہین ہے گناہ کا باعث اور فسق ہے۔

فضائل تلاوت

مناسب ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت انسان پاکیزہ جگہ پر قبلہ رو ہو، اور طہارت کے ساتھ تلاوتِ قرآن پاک کرے۔ یہ سب سے بہتر ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ قرآن کے پڑھنے کا سب سے زیادہ اجر و فضیلت اور ثواب نماز کی حالت میں ہے۔ نماز کی حالت میں انسان جتنا قرآن پاک پڑھے گا، سب سے زیادہ فضیلت ہوگی۔ نماز سے باہر قرآنِ کریم کی تلاوت صدقے سے زیادہ افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا، صدقہ نفلی روزے سے زیادہ افضل ہے۔ بیہقی شریف میں نفلی روزے کے بارے میں آتا ہے کہ جو شخص ایک روزہ اللہ کی رضا کے لیے رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔

قرآن کریم سے تعلق رکھنے والے یہ چند بنیادی مسائل تھے۔

Marfat.com

اَسماءُ القرآن

خود قرآن میں قرآن کریم کے کئی نام مذکور ہیں۔ فرقان جس کا معنیٰ فیصلہ کرنے والا ہے۔ قرآن اس کا معنیٰ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ قرا کا لفظی معنیٰ جمع کرنا ہے اور پڑھنے میں حروف کو جمع کیا جاتا ہے۔ ایک نام تذکرہ ہے۔ تذکرہ کا معنیٰ یاد دہانی والا کلام ہے۔ قرآن پاک انسان کو تمام باتیں یاد دلاتا ہے۔ ھُدًیٰ ہدایت۔ نور، روشنی۔ قرآن کریم کو روح بھی کہا گیا ہے اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ انسان کو روح سے زندگی حاصل ہوتی ہے قرآن کریم سے بھی انسان کو ابدی روحانی حیات نصیب ہوتی ہے۔

اس کا نام رحمت بھی ہے۔ ھُدًی وَّرَحْمَۃً قرآن پاک اللہ کی رحمت کو کھینچنے کا ذریعہ ہے۔ ایک نام شفا بھی ہے جیسا کہ بیماری میں دوا سے شفا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک کو نازل فرما کر فرمایا ھُدًی وَّشِفَاءٌ اس میں ہدایت اور شفا ہے اس میں اللہ نے تمام روحانی بیماریوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ مگر اس کا علاج کرانے والا کوئی ہونا چاہیئے۔

قرآن پاک کا نام موعظت بھی ہے۔ موعظت نصیحت کو کہتے ہیں ایک نام تبیان بھی ہے نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا۔ تبیان بھی قرآن کا نام ہے۔ قیم۔ اس کا معنیٰ نگرانی کرنے والا درست۔ قَیِّمًا یہ درست ہے۔ اس کی ہر بات اور ہر نقطہ صحیح ہے۔ قرآن کریم کا ایک نام احسن الحدیث ہے جیسا کہ خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ اَللّٰہُ نَزَّلَ الْکِتَابَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ یعنی سب سے اچھی بات۔

قرآن کا نام مثانی بھی ہے۔ مثانی کا معنیٰ ہے دہرائی جانے والی کتاب۔ جس قدر قرآن کریم کو دہرایا جاتا ہے ایسی دنیا کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ نہ کوئی ورد کی کتاب ہے، نہ کوئی تعلیم کی کتاب ہے جس کو اس کثرت سے دہرایا جاتا ہو۔

اس کا نام برہان بھی ہے۔ برہان دلیل کو کہتے ہیں۔ اس کا نام الکتاب بھی ہے اور ذکر بھی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض نام ہیں مگر جو مشہور نام ہیں وہ ذکر کر دیے ہیں۔

Marfat.com

نزولِ قرآن اور فضائلِ قرآن

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام شرافتیں اور عظمتیں قرآن پر ختم کر دیں امام ابن کثیرؒ اور دوسرے مفسّرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کریم اشرف الکتب ہے تمام آسمانی کتابوں میں بھی یہ شرافت والی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کو احسن الحدیث فرمایا ہے۔ اور اس کو نازل کیا اشرف الرسل پر جو تمام رسولوں سے زیادہ برگزیدہ، عظمت اور شرف والا رسول ہے۔ جیسا کہ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی تمام نبیوں کے خاتم اور سب سے زیادہ فضیلت اور شرافت والے نبی پر اللہ نے قرآن کو نازل فرمایا۔

جس فرشتے کے ذریعے قرآن پاک نازل فرمایا وہ سب فرشتوں سے زیادہ افضل ہے ملائکہ کا سردار ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ اس واسطے سے اس کو روح الامین کہتے ہیں

جس جگہ قرآن نازل ہوا ہے وہ تمام خطۂ ارض میں فضیلت والا خطہ ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ کائنات کے اندر مکہ سے زیادہ برگزیدہ کوئی خطہ نہیں ہے۔ اللہ نے حرم پاک کو خانہ کعبہ کی وجہ سے شرافت بخشی ہے، قرآن پاک اِس خطہ میں نازل ہوا۔

جس مہینہ میں قرآن نازل ہوا، وہ مہینوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشرف مہینہ ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ جو برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ ہے۔

جس رات میں نازل فرمایا، وہ راتوں میں سب سے زیادہ فضیلت والی ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔ تو فرماتے ہیں۔ فَكَمُلَ مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ قرآن ہر طریقے سے کامل ہے جس اعتبار سے بھی دیکھیں اللہ تعالیٰ نے اس پر کمال اور فضیلت کو ختم کر دیا ہے۔

مُسلمانوں کی تباہی کے اسباب

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو دو چیزوں نے تباہ کیا۔ ان کا تجزیہ واقعی صحیح ہے۔ فرماتے ہیں۔ ایک چیز تو یہ ہے کہ مُسلمان قرآن سے غفلت برت رہے ہیں

ایک عظیم (بڑا) طبقہ ایسا ہے جس کو پتہ ہی نہیں کہ قرآن کیا چیز ہے۔ نہ وہ پڑھتا ہے۔ نہ لکھتا ہے نہ سنتا ہے، نہ سناتا ہے سرے سے ہی غافل ہے۔ دوسری بات قرآن کریم کی غلط تفسیر ہے جس نے مسلمانوں کو تباہ کیا۔ فرقہ بندی، بدعات، شرکیہ باتیں یہ سب غلط تفسیر کے نتیجے میں آتی ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ نہ مسلمانوں کے لیے قرآن سے غفلت روا ہے اور نہ قرآن کی غلط تفسیر۔ غلط تفسیر کرنے والوں نے غلطی کی۔ پرویز تفسیر کرتا رہا ہے۔ قادیانی نے تفسیر کی۔ یہ گمراہ فرقے سب قرآن کریم کی غلط تفسیریں کرتے ہیں۔ اس غلط چیز پر لوگ عمل پیرا ہوتے ہیں تو سب تباہ ہو کر رہتے ہیں۔

اصول تفسیر

قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں چند اصول اور چند باتیں مسلمانوں کو ذہن میں رکھنی چاہئیں امام ابن کثیرؒ نے یہاں چند نقاط بیان فرمائے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر سب سے پہلے خود قرآن میں تلاش کرو۔ سلف کا یہی طریقہ تھا اور امام ابوحنیفہؒ ایسا ہی کرتے تھے۔ امام شافعیؒ ایسا ہی کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی ایسا ہی کرتے۔ اگر کسی بات میں کوئی شبہ ہو تو سب سے پہلے قرآن میں تلاش کرو۔ یقیناً مل جائے گی۔ کیونکہ قرآن کریم میں ایک چیز کو کسی سورۃ میں اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے تو کسی جگہ اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے۔ تو سب سے پہلے قرآن کی تفسیر مِنَ القُرْآن ہی ہو۔

اگر کوئی ایسی بات ہے جو قرآن میں نہ مل سکے تو پھر اس کی تشریح حضور علیہ السلام کی سنت سے تلاش کرو۔ جتنی بھی حضور کی سنّت یا صحیح احادیث ہیں، وہ قرآن کی شرح ہے۔ امام شافعیؒ شاہ ولی اللہؒ مولانا گنگوہیؒ اور ایسے بڑے علماء یہی فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب حاکم اور قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا تم فیصلہ کس طرح کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا اللہ کی کتاب کے مطابق۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اگر اللہ کی کتاب میں وہ فیصلہ نہ ملے۔ عرض کیا، حضورؐ کی جو سنت مجھے معلوم ہے، اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پوچھا، اگر سنت میں بھی فیصلہ معلوم نہ ہو تو کیا کرو گے۔ عرض کیا پھر میں اجتہاد کرونگا۔ جو چیز مجھے قرآن و سنت کے ساتھ زیادہ مناسب معلوم ہوگی اُسکے مطابق فیصلہ کرونگا حضورؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنے رسول کے بھیجے ہوئے کو اُس چیز کی توفیق بخشی ہے۔ جس کو خدا پسند کرتا ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد شریف میں موجود ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِہٖ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بعض نئے نئے واقعات اور جزئیات پیش آتے ہیں اس لیے اگر کوئی چیز سنت میں بھی نہ ملے تو کیا کریں۔ فرمایا پھر قرآن کریم کی تشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے اقوال سے تلاش کی جائے گی۔ کیونکہ ساری امت میں صحابہ کرام سب سے زیادہ قرآن کو جاننے والے تھے۔ یہ بات بطور عقیدہ کے مان لینی چاہیئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد امت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اور ان میں خصوصاً خلفائے اربعہ راشدینؓ کا نمبر ہے۔ اُن کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ آتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا قول تو یہ ہے۔ وَالَّذِیْ اُس خدا کی قسم لَآ اِلٰہَ غَیْرُہٗ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مَا نَزَلَتْ مِنْ اٰیَۃٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ اِلَّا وَاَنَا اَعْلَمُ فِیْ مَنْ نَزَلَتْ وَاَیْنَ نَزَلَتْ یعنی قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جو نازل ہوئی ہو مگر میں جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ بعد میں آنے والے زمانے میں کہتے تھے وَلَوْ اَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِکِتَابِ اللّٰہِ اگر مجھے علم ہو کہ کوئی قرآن کو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے اور میں وہاں تک پہنچ سکتا ہوں تو یقیناً سواری پر سوار ہو کر اس کے پاس جاتا۔ اور اس سے حاصل کرتا۔ تو صحابہ کرام سب سے زیادہ قرآن کریم کو جاننے والے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صحابہ جب قرآن کی دس آیتیں بھی پڑھتے تھے تو آگے نہیں پڑھتے تھے جب تک ان پر عمل نہیں کر لیتے تھے۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ وَالْعَمَلَ جَمِیْعًا ہم نے قرآن کا علم اور عمل بھی سیکھا ہے۔ جو سیکھا اس کے مطابق بھی کیا، پھر آگے بڑھے۔

حضرت ابن عباسؓ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تفسیر اور بیان میں بڑا ملکہ عطا فرمایا۔ حضورؐ نے دعا کی اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ اَللّٰھُمَّ فَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ۔ اے اللہ! اُسے قرآن کا علم عطا کر، اُسے دین میں سمجھ دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا مستجاب کی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ خود فرماتے ہیں کہ نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْاٰنِ ابْنُ عَبَّاسٍ یعنی ابن عباسؓ قرآن کا بہت ہی اچھا ترجمان ہے قرآن کی ترجمانی کرنے والے ہیں۔ اس کا بیان کرنے والے اور اس تفسیر کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

تفسیر بالرائے گناہ کبیرہ ہے

یاد رکھنا چاہیئے کہ محض اپنی عقل سے قرآن کریم کی تفسیر کرنا ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔ تیسرے نمبر پہ صحابہ کرامؓ کے اقوال کو دیکھا جائے گا۔ کہ انہوں نے قرآن کریم کو کس طرح سمجھا ہے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اختلاف والی چیز اگر صحابہ کرام کے اقوال میں بھی نہ مل سکے تو تابعین سے رجوع کریں گے۔ جنہوں نے صحابہ کرامؓ سے براہ راست پڑھا تھا۔ بعض ایسے تابعین بھی ہیں جنہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تیس تیس مرتبہ قرآن کریم کی تفسیر پڑھی جیسا کہ مجاہدؒ، دیگر مفسرین ضحاکؒ قتادہؒ حسن بصریؒ، سعید ابن مسیبؒ ہیں اور امام ابوحنیفہؒ بھی تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ لہذا ایسے تابعین کے ہاں تلاش کریں گے کہ اُن کی تشریح کیا ہے۔

اس کے بعد قرآن کی لغت کو دیکھیں گے، زبان کو بھی دیکھیں گے۔ اس کے اور بہت سے شرائط ہیں۔ خالی اپنی عقل سے قرآن کریم کی تشریح کرنا ناجائز ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ جس نے قرآن میں اپنی رائے سے بات کی۔ اَوْبِمَا لَا يَعْلَمُ یا ایسی بات کی جس کو نہیں جانتا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ایسا آدمی اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔ یہ کوئی نیکی نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ دوزخ کی تیاری کر رہا ہے۔ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ جس نے اپنی رائے کے ساتھ قرآن میں کوئی بات کی، اگرچہ ٹھیک کرے پھر بھی غلطی پہ ہے کیونکہ اپنی رائے سے بات کر رہا ہے۔ اور فرمایا مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْيِهٖ فَقَدْ كَفَرَ جس نے محض اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اُس نے کفر کیا۔

امام ابن کثیرؒ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ فَاكِهَةً وَّاَبًّا میں فاکہہ تو پھل کو کہتے ہیں۔ ابا کا کیا مطلب ہے۔ تو آپؓ نے فرمایا اَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِيْ وَاَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِيْ اِذَا اَنَا قُلْتُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا اَعْلَمُ کون سا آسمان مجھ پہ سایہ کرے گا کون سی زمین مجھ کو اٹھائے گی جب میں اللہ کی کتاب کے بارے میں ایسی بات کہوں، جس کا مجھے علم نہیں۔ پھر مجھ پہ آسمان سایہ کرنے والا نہیں ہو گا۔ زمین اٹھانے والی نہیں ہو گی، خطرناک معاملہ ہے۔

Marfat.com

یعنی اپنی رائے سے اور اپنی عقل سے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب تک کہ اس کے بارے میں علم نہ ہو۔ سلف صالحین اتنا احتیاط کرتے ہیں۔

موضوع قرآن

قرآن کا موضوع اور سبجیکٹ (SUBJECT) ہے انسان مکلّف۔ مکلف انسانوں کے لیے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا۔ کہ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ قرآن صرف انفرادی نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز پر حاوی ہے۔ انسانی سوسائٹی کے جتنے بھی طبقات یا مسائل ہیں، سب پہ قرآن حاوی ہے۔ اور نبوّت کا مقصد بھی یہی ہے یعنی تکمیلِ اجتماعِ انسانی۔ انسانی سوسائٹی کی تکمیل اور اس کو درجہ کمال تک پہنچانا۔

Marfat.com

درس ۴

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲

گذشتہ سے پیوستہ

پہلے قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں ذکر تھا۔ اگر قرآن کریم کی تشریح خود قرآن کریم میں نہ مل سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحیح احادیث میں مل جائے گی اگر حضور علیہ السلام کی سنت میں بھی نہ مل سکے تو قرآن کی تشریح صحابہ کرام رضؓ کے اقوال میں تلاش کرنی چاہیئے کہ امت کے اندر قرآن کریم کو سب سے زیادہ جاننے والا طبقہ صحابہ کرامؓ کا تھا حضور علیہ السلام کی امت کے جتنے بھی طبقات بعد میں آئے ہیں، ان سب سے زیادہ صحابہ کرامؓ قرآن کریم کو جانتے تھے۔

امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ انہوں نے وہاں سورۃ بقرہ تلاوت کی بعض روایتوں میں سورۃ نور کا ذکر آتا ہے اور قرآن کریم کی ایسی تشریح بیان کی کہ سننے والوں نے یہ کہا کہ اگر اس کو ترک اور دیلم اور عجمی لوگ سنتے تو بے ساختہ مسلمان ہو جاتے۔ ظاہر ہے کہ وہ قرآن کریم کو بہت زیادہ جانتے تھے۔ بہ نسبت بعد کے آنے والے طبقات کے۔

اگر صحابہ کرامؓ کے اقوال میں بھی تفسیر نہ مل سکے تو پھر صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کرنے والے تابعین سے رجوع کیا جائے گا۔ اور قرآن پاک کی تشریح اور تفسیر معلوم کی جائے گی۔ جو اس کے خلاف چلے گا، وہ گمراہی میں مبتلا ہو گا۔ گمراہی سے بچ نہیں سکے گا۔

قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر کا مسئلہ ذکر کرنے کے بعد سورۃ فاتحہ جو قرآن کی ابتدائی سورۃ ہے اس کے بارے میں پہلے کچھ اس کی فضیلت کا ذکر ہوگا۔ اس کے بعد الفاظ اور ان کے معانی۔

سورۃ فاتحہ کا مقام قرآن کریم میں

قرآن کریم میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں۔ ان میں پہلا نمبر سورۃ فاتحہ کا ہے۔

Marfat.com

جیساکہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر اتقان میں اور دوسرے مفسّرین کرام نے ذکر کیا ہے۔ قرآن پاک کی جملہ آیات چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) ہیں۔ بعض چونکہ بسم اللہ کو ہر سورۃ کا جزو شمار کرتے ہیں، اس لیے اگر وہ شمار کر لی جائے تو تعداد بڑھ جائے گی۔ بعض دوسرے مفسرین اور قراء عظام بعض آیات کی تقسیم کے اندر تھوڑا بہت فرق کر دیتے ہیں۔ مثلاً کوئی آیت بعض کے نزدیک ایک آیت ہے تو بعض کے نزدیک دو بن جاتی ہیں۔ وہ درمیان میں وقف کر دیتے ہیں، اس لحاظ سے تھوڑا بہت فرق آئے گا۔ بعض نے چھ ہزار دو سو (۶۲۰۰) اور کچھ آیات کا ذکر کیا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ قرآن کریم کی چھ ہزار چھ سو سولہ آیات ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیعوں کی معتبر کتاب اصول کافی میں قرآن کی جملہ آیات سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) مشہور ہے وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس میں کوئی صداقت نہیں۔ قرآن کریم کی جملہ آیات ۶۶۱۶ یا اس کے لگ بھگ ہیں۔ اتقان وغیرہ میں مفسّرین نے ذکر کیا ہے۔ کہ قرآن کریم کے جملہ الفاظ ستتر ہزار نو سو چونتیس (۷۷۹۳۴) اور جملہ حروف تین لاکھ تیئس ہزار سات سو ساٹھ ہیں (۳۲۳۷۶۰)

سب سے پہلی سورۃ، سورۃ فاتحہ ہے۔ اس کے پچیس (۲۵) الفاظ اور ایک سو تیئس (۱۲۳) حروف ہیں۔ اور بعض روایات میں آتا ہے لُبَابُ الْقُرْاٰنِ الْحَوَامِیْمُ السَّبْعَۃُ یعنی قرآن کریم کا لب لباب اُن سات سورتوں میں آیا ہے۔ جن کی ابتدا میں حٰمٓ کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام بنیادی اور اصولی عقائد مثلاً توحید، معاد، رسالت وغیرہ ان سات سورتوں کے اندر بیان کئے گئے ہیں۔ اور پھر ان کا خلاصہ سورۃ فاتحہ کے اندر ہے۔ اور کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا خلاصہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے اندر آجاتا ہے۔

سورۃ فاتحہ کی فضیلت

سورۃ فاتحہ کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ حضور کے ارشاد کے مطابق اَعْظَمُ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ قرآن کریم میں سب سے بڑی سورۃ سورۃ فاتحہ ہے۔ آیات، الفاظ اور حروف کے اعتبار سے تو اس کی سات آیتیں پچیس الفاظ اور ایک سو تیئس حروف ہیں۔ یہ سورۃ مرتبہ

اور شان کے لحاظ سے سب سے بڑی سورۃ ہے۔ قرآن کریم کی کسی سورۃ کو یہ درجہ حاصل نہیں جو اس کو ہے یہ اَعْظَمُ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ وَاَخْیَرُ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ یہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے عمدہ سورۃ ہے۔

یہ سورۃ معنوی لحاظ سے اس واسطے اعظم ہے کہ اس کے اندر قرآن کریم کے جملہ مقاصد کا خلاصہ آگیا ہے۔ جیسے کسی تقریر کا یا بیان کا یا کتاب کا خلاصہ ہوتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔ قرآن کریم کے اندر عقائد کا بیان اور اعمال کا ذکر ہے۔ اعمال شخصی بھی ہوتے ہیں، گھریلو بھی ہوتے ہیں اور شہری بھی۔ ان تمام حقوق کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اس میں توحید کا ذکر ہے۔ نبوت کا بیان ہے۔ قیامت کا تذکرہ ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، تمام مکارم اخلاق اور نیکی، معروف اور منکر، شہادت بالحق، انصاف۔ اور نیکی میں تعاون، خیر و شر کی تفصیل، قضا و قدر کا بیان، شفاعت کا مسئلہ، دوزخ اور جنت کا ذکر، نکاح و وراثت، لین دین کے معاملات، خلافت اور سیاست، فساد کو دفع کرنے کے لیے جہاد، تبلیغ اور اچھے طریقے سے بحث مباحثہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اس کے علاوہ محبت، صبر، عزم، تقویٰ وغیرہ اور شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں وہ چار بنیادی اخلاق جو تمام دینوں اور شریعتوں میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہماری شریعت میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں یعنی طہارت، اخبات، سماحت، عدالت یہ تمام قرآن کے مقاصد ہیں اور ان کا خلاصہ اشارۃً سورۃ فاتحہ کے اندر آگیا ہے۔ اس لیے یہ اعظم سورۃ فی القرآن ہے۔

سورۃ فاتحہ — دیباچہ قرآن

سورۃ فاتحہ کو دیباچہ قرآن بھی کہتے ہیں۔ یہ سورۃ قرآن کے معانی کی جامع ہے۔ مفسرین اس کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کَمِرْاٰۃٍ صَغِیْرَۃٍ تُرِیْكَ شَیْئًا عَظِیْمًا سورۃ فاتحہ ایسی ہے جیسے چھوٹا سا آئینہ ہوتا ہے اور وہ بہت بڑی چیز کو بتا دیتا ہے۔ آئینہ آدھے ناخن کے برابر بھی ہو تو اس میں سورج نظر آجاتا ہے پہاڑ بھی نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی یہ چھوٹی سی سورۃ ہے۔ مگر اس میں بڑی بڑی باتیں نظر آتی ہیں۔

Marfat.com

ربوبیت کی پانچ صفات

سورۃ فاتحہ میں ربوبیت کی پانچ صفات بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً اللہ، رب، رحمان، رحیم اور مالک۔ اور اللہ تعالیٰ نے پانچ صفات عبودیت کی ذکر کی ہیں۔ جو بندوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ جو بندوں کی صفت بنتی ہیں۔ مثلاً عبادت اور استعانت یعنی اپنی تمام باتوں کے اندر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔ مقاصد دینی ہوں یا دنیوی سب کے اندر اللہ سے مدد طلب کرنا استعانت کہلاتی ہے۔

اور ہدایت طلب کرنا کہ خدا تعالیٰ استقامت عطا فرمائے، انسان ڈانواں ڈول نہ ہو۔ عقیدے اور عمل میں اس کو استقامت نصیب ہو یہ بہت بڑی چیز ہے۔

نعمت کا طلب کرنا بھی بندے کی صفت ہے۔ بندہ طلب گار ہوتا ہے کہ اس کو ہر قسم کی نعمت حاصل ہو۔ اور خدا کے غضب اور گمراہی سے پناہ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پانچ صفات عبودیت کی بیان فرمائیں۔

انسان پانچ چیزوں سے مرکب ہے

امام رازیؒ اور دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انسان بھی پانچ چیزوں سے مرکب ہے ایک انسان کا بدن ہے۔ ایک انسان کے اندر نفس ہے، جو شیطانی ہے، اس میں شیطان کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اور ایک نفس سبعی ہے۔ جس کے اندر درندوں جیسی صفت ہوتی ہے۔ انسان کے اندر درندوں جیسی صفت بھی ہوتی ہے۔ انسان کا ایک نفس بہیمی ہے یعنی جانوروں جیسی صفت ہے۔ انسان کے اندر ایک جوہر ملکی ہے۔ ایسا جوہر جو فرشتوں کے اندر ہوتا ہے انسان ان پانچ چیزوں سے مرکب ہے۔

جوہر ملکی کا اطمینان اسم اللہ سے ہوتا ہے۔ اور نفس انسانی کا دبنا اور مغلوب ہونا اسم رب کی تجلی سے ہوتا ہے۔ جب اسم پاک رب کی تجلی پڑتی ہے تو شیطان دبتا ہے اور مطیع ہوتا ہے۔ اسی طرح جب رحمان کی تجلی پڑتی ہے تو درندوں جیسا نفس مطیع ہوتا ہے۔

Marfat.com

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ٱلْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۔

نفس بہیمی کی اصلاح اسم رحیم سے ہوتی ہے۔ اسم رحیم کی تجلی واقع ہوتی ہے تو نفس بہیمی مطیع ہو جاتا ہے۔

انسان کا بدن غلیظ اور کثیف ہے۔ اس کی کثافت مالکیت سے درست ہوتی ہے۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ جب مالک کے اسم پاک کی تجلی پڑتی ہے تو بدن کی کثافت دور ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر لطافت پیدا ہوتی ہے۔ تو دیکھئے وہ تمام اوصاف جن کا تعلق انسان سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک جن کی تجلی واقع ہوتی ہے ان سب کا ذکر آگیا ہے۔

مضامین کتب سماوی کا نچوڑ

امام مجدد الف ثانیؒ نے حضرت علیؓ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ جتنے بھی آسمانی صحیفے اللہ تعالیٰ نے نازل کئے ہیں۔ ان سب کے مضامین چار آسمانی کتابوں تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں آگئے ہیں۔ پھر زبور، تورات اور انجیل کے تمام مضامین قرآن پاک کے اندر آگئے کوئی مضمون ایسا نہیں جو ان کتابوں میں بیان کیا گیا ہو، اور قرآن میں موجود نہ ہو۔ اور ان کتابوں کے علاوہ بھی ہزاروں مضامین قرآن میں آئے ہیں۔ اور قرآن کے تمام مضامین سورۃ فاتحہ کے اندر آگئے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ تمام قرآن کا نچوڑ سورۃ فاتحہ میں آگیا ہے اور سورۃ فاتحہ کا بسم اللہ کے اندر آگیا ہے۔ اور بسم اللہ کا خلاصہ "ب" کے اندر آگیا ہے۔ "ب" استعانت کے لیے ہوتی ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ تمام چیزیں رب تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرتی ہیں۔ اور اسی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ "ب" کے اندر آکر یہ ساری بات ٹک جاتی ہے۔

بسم اللہ کی جامع تشریح

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں جو بسم اللہ کی تشریح بیان کی ہے وہ ستر صفحات پہ پھیلی ہوئی ہے۔ اسے دو دن تو آدمی پڑھ بھی نہیں سکتا۔ امام عبدالکریم جیلیؒ نے بسم اللہ اور "ب" کے نقطے

Marfat.com

کی تشریح میں ایک مستقل رسالہ اور کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام اَلْکَھْفُ وَالرَّقِیْمُ فِیْ تَفْسِیْرِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" ہے۔ یہ فل سکیپ (FOOL SCAP) کے سینتیس ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے اس میں نہایت ہی دقیق تفصیل بیان کی ہے۔

تو ساری بسم اللہ کا خلاصہ نقطے کے اندر آجاتا ہے۔ نقطہ ایک ایسی چیز ہے کہ ریاضی والے اس کی تعریف نہیں کر سکتے۔ اور نقطہ نظر میں نہیں آتا بلکہ نقطے کو علمی اصطلاح کے اندر فرض کیا جاتا ہے۔ اس تشبیہ سے انہوں نے مثال پیدا کی ہے۔ لیکن اعداد جتنے بھی ہیں نقطے سے پیدا ہوتے ہیں تو اسی طریقہ سے کائنات کا ظہور بھی خدا تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ جس کی مثال نقطے جیسی ہے کہ نقطہ نظر نہیں آتا، اس کو فرض کیا جاتا ہے۔ لیکن تمام اعداد کا سلسلہ اس نقطے سے ظاہر ہوتا ہے۔

حرف "ب" کی تشریح

امام جعفر صادقؓ نے فرمایا ہے کہ حرف "ب" کا معنی یوں سمجھو، "بِیْ کَانَ مَاکَانَ وَبِیْ یَکُوْنُ مَایَکُوْنُ" یعنی جو کچھ ہے میری وجہ سے ہے اور جو کچھ ہوگا میری وجہ سے ہوگا۔ "ب" یہ بتلا رہی ہے کہ جو کچھ بھی ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ کا فیضان، اس کی مہربانی، اس کی رحمت اور اس کے حکم، مشیّت اور ارادے سے ہوا۔ جو ہوگا وہ بھی اسی طریقے سے ہوگا۔ "ب" اس نقطے کو ظاہر کرتی ہے۔

سورۃ فاتحہ کے پندرہ ۱۵ نام

سورۃ فاتحہ کی فضیلت کے سلسلہ میں اس کے کئی نام ہیں۔

۱۔ اس کو فاتحہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے لکھی جاتی ہے۔ اور اس کی تعلیم بھی سب سے پہلے دی جاتی ہے۔ اور قرأت بھی سب سے پہلے اسی کی کی جاتی ہے۔ اس واسطے اس کو فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ کہتے ہیں۔

۲۔ اس کا دوسرا نام سورۃ الحمد ہے۔ حمد، تعریف کو کہتے ہیں۔ جس میں اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کا ذکر ہے۔

Marfat.com

۳ - اس کا تیسرا نام اُمُّ القُرآن ہے۔ عربی میں اُم اصل کو کہتے ہیں۔ ماں بھی اصل ہوتی ہے جس سے انسان نکلتا ہے۔ یہ ام القرآن کہلاتی ہے کہ اس میں تمام الٰہیات، معاد، نبوت، قضا و قدر وغیرہ کی تمام اصولی بحثیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ اُم القرآن ہے۔

یا اس کو اس لیے ام القرآن کہتے ہیں کہ علوم کی غرض و غایت دو چیزوں پر منتہی ہوتی ہے یعنی یا تو ربوبیت کو پہچان لیا جائے یا عبودیت کو پہچان لیا جائے۔ اور دونوں کی اصل اس سورۃ کے اندر موجود ہے۔ اس لیے بھی اسے ام القرآن کہتے ہیں۔

ذات، صفات، افعال، فروع، احکام اور مکلفین کے لیے تمام شرائع، تذکیہ ظاہر اور باطن یہ تمام چیزیں اس سورۃ کے اندر اشارۃً بیان کر دی گئی ہیں۔ اس لیے اس کو ام القرآن کہا گیا ہے یعنی اصلِ قرآن۔

۴ - اس سورۃ کا چوتھا نام سَبْعُ مَثَانِی ہے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان حدیث میں آتا ہے۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا اُنْزِلَ فِی التَّوْرٰۃِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْقُرْاٰنِ مِثْلُھَا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تورات، زبور، انجیل بلکہ خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی سورۃ نازل نہیں کی گئی۔ یہ سبع مثانی ہے جو اللہ نے مجھے دی ہے۔

اس کو مثانی کہنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ یا تو اس کو دہرایا جاتا ہے۔ یا اس کے دو حصے ہیں نِصْفُ ثَنَاءٍ وَنِصْفُ عَطَاءٍ آدھا حصہ اللہ کی تعریف پر مشتمل ہے اور آدھا حصہ اللہ کے انعام پر مشتمل ہے۔

یا مثانی اس لیے بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کو ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے کسی اور سورۃ کو نہیں دہرایا جاتا صرف اسی سورۃ کو دہرایا جاتا ہے۔ فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں تو فرض ہوتا ہے۔ کہ فاتحہ بھی پڑھی جائے اور اس کے ساتھ دوسری سورۃ بھی ملائی جائے۔ اور چار رکعت والی نماز کی دوسری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے

بہرحال یہ نماز میں دہرائی جاتی ہے۔ اس لئے اس کو مثانی کہتے ہیں۔

۵ - اس کا پانچواں نام وَافِیَہ ہے۔ وافیہ کا معنیٰ پورا کرنے والی یہ بھی ہر مقصد کو پورا

کرتی ہے۔

۶۔ اس کا چھٹا نام کَافِیَہ ہے۔ یعنی کفایت کرنے والی۔

۷۔ اس کا ساتواں نام اَسَاس ہے۔ یعنی بنیاد،

۸۔ اس کا آٹھواں نام شِفَا ہے۔ بیہقی شریف کی حدیث میں آتا ہے۔ شِفَآءٌ مِنْ سَمٍّ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کے اندر زہر کے لیے شفاء رکھی ہے۔ روحانی زہر سے بھی شفاء ملتی ہے۔ اور جسمانی زہر سے بھی اللہ تعالیٰ شفاء دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ شِفَآءٌ مِّنْ کُلِّ دَآءٍ یہ دارمی شریف کی روایت ہے۔ کہ فاتحۃ الکتاب کے اندر ہر بیماری کی شفا ہے۔

مسند بزار میں یہ روایت موجود ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشاد مبارک ہے اِذَا وَضَعْتَ جَنْبَکَ عَلَی الْفِرَاشِ، جب تم اپنا پہلو بستر پر رکھو وَقَرَأْتَ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور فاتحۃ الکتاب کو پڑھو اور پھر قل ہو اللہ احد پڑھو فَقَدْ اٰمِنْتَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا الْمَوْتَ تو تمہیں موت کے سوا ہر چیز سے امن نصیب ہوگا۔ اگر موت کا وقت آگیا تو وہ آئے گی۔ باقی ہر چیز سے اللہ تمہیں امن عطا فرمائیں گے۔ کہ سوتے وقت انسان سورۃ فاتحہ اور قل ہو اللہ پڑھ لے جب پہلو بستر پر رکھے۔

۹۔ اس کا نواں نام سوال یا تعلیم المسئلہ ہے۔ یعنی سوال کرنے کا طریقہ سکھلانا۔ کہ جب تم خدا تعالیٰ سے سوال کرو تو کس طرح کرو۔ یہ طریقہ بھی سکھلایا۔ کہ پہلے اللہ کی حمد بیان کرو۔ اور اپنی عاجزی کا اظہار کرو پھر خدا سے مانگو۔ تو گویا یہ تعلیم المسئلہ ہے یعنی سوال کا طریقہ سکھانے والی۔

۱۰۔ اس کا دسواں نام سورۃ شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا سلسلہ بھی اسی سورۃ کے اندر بیان ہوا۔ جب آدمی کوئی اچھا کام کرتا ہے تو کہتا ہے الحمد للہ۔ اس سے خدا کا شکر ادا ہوتا ہے۔

۱۱۔ اس سورۃ کا گیارہواں نام سورۃ دعا ہے۔ اس سورۃ کو دعا کے اندر بھی ہمیشہ پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے کا حکم ہے۔

۱۲۔ اس سورۃ کا بارہواں نام سورۃ رُقیہ ہے یعنی دم کرنے والی سورۃ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی سفر کے اندر تھے۔ کہ کسی آدمی کو بچھو یا سانپ نے کاٹ دیا۔ تو انہوں نے سورۃ فاتحہ سات

Marfat.com

دفعہ یا پانچ دفعہ پڑھ کر دم کر دیا تو اللہ نے شفاء دی۔ جب حضور علیہ السّلام کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا مَا یُدْرِیْکَ تمہیں کیا معلوم تھا کہ یہ شفا بھی ہے۔ پہلے کبھی حضور صلی اللہ علیہ و سلّم سے سُنا ہو گا۔

تو حضور علیہ السّلام نے اس کو رقیہ بھی فرمایا ہے۔ تعویذ والی، جھاڑ پھونک والی سورۃ۔ رقیہ جھاڑ پھونک کو کہتے ہیں۔ اور فرمایا فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ رُقْیَۃٌ وَّشِفَاءٌ مِنْ کُلِّ سَمٍّ یعنی اس کے اندر ہر زہر کے لیے شفا ہے۔

اس کا نام شفاء تو ہے لیکن پڑھنے کا طریقہ اور زبان بھی ہونی چاہیئے۔ یہ مسئلہ الگ ہے۔ جیسے کلونجی کے اندر موت کو چھوڑ کر ہر بیماری کی شفاء ہے تو حضرت مولٰنا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان بالکل برحق ہے کہ اس کے اندر ہر بیماری کی شفاء ہے۔ لیکن اس کا طریقہ ہر کسی کو معلوم نہیں۔ وہ اللہ کو ہی معلوم ہے۔ کہ اس کو کس طرح استعمال کرنا چاہیئے اگر استعمال کا طریقہ انسان کو معلوم نہ ہو تو یہ اس کی کمزوری اور عاجزی ہے۔ بعض اوقات اس کو خشک استعمال کیا جاتا ہے۔ نزلے کے اندر کلونجی کے دانے بھون کر ناک سے سونگھے جاتے ہیں۔ تو زکام کا فائدہ ہو جاتا ہے کبھی اس کو پیس کر اور پاؤڈر کی شکل میں استعمال کرتے ہیں کبھی کسی معجون میں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن تمام لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا طریقہ استعمال کیا ہے۔

ایسا ہی سورۃ فاتحہ پڑھنے کا معاملہ ہے۔ شفا تو ہے۔ لیکن پڑھنے کے بھی کچھ شرائط ہوتے ہیں۔ کچھ آداب ہوتے ہیں وہ ہر آدمی کو معلوم نہیں ہوتے۔ جس کو معلوم ہوتے ہیں۔ جب وہ پڑھتا ہے تو شفاء ہو جاتی ہے۔

ایک لطیفہ ہے۔ خواجہ عبدالرحمٰنؒ شاعر تھے جو آج سے چار سو سال پہلے گذرے ہیں۔ یہ افغانی زبان کے شاعر تھے۔ اُن کا دیوان ہے جو پشتو زبان میں ہے یہ بڑے نیک اور صالح آدمی تھے۔ خوشحال خاں خٹک تو دنیا دار اور سردار آدمی تھا، عالمگیرؒ کے خلاف جنگ لڑتا رہا۔ جو کہ ایک ملک گیری کا سلسلہ تھا۔ تاہم آدمی وہ بھی بڑا شریف تھا۔ لیکن رحمان بابا تو اولیاء اللہ میں سے تھا۔ اور بڑا شاعر تھا۔ پشاور آیا کہیں مسجد میں بیٹھا تھا۔ طالب علم رات کو روٹیاں مانگ

Marfat.com

کر لاتے، سالن نہیں تھا، سوکھی روٹی کھانے لگے۔ بابا نے پوچھا تمہارے پاس سالن نہیں ہے انہوں نے کہا نہیں ہے۔ خدا جانے کیا خیال آیا، یہ تو واردات الگ قسم کی ہوتی ہے۔ کہنے لگے پانی کا گھڑا بھر کر لاؤ۔ طالب علم گھڑا بھر کے لے آئے۔ تو ان کے سامنے اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر سورۃ فاتحہ پڑھی اور پھونک ماری، پانی شہد میں تبدیل ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے کر دیا کہنے لگے جاؤ اس کے ساتھ روٹی کھاؤ۔

بعد میں طالب علم سمجھے نسخہ ہم کو معلوم ہو گیا۔ دوسرے وقت انہوں نے اپنے اپنے گھڑے بھرے اپنے سامنے رکھے اور سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں ایک دفعہ، دو دفعہ، دس دفعہ پھونکتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پھر وہ کسی وقت باباصاحب کے سامنے آئے کہنے لگے کہ باباصاحب ہم نے تو فاتحہ پڑھی تو شہد نہیں بنا۔ کہنے لگے بیٹا! فاتحہ وہی اللہ کا کلام ہے مگر عبدالرحمٰن کی زبان نہیں ہے زبان تمہاری ہے۔ اس واسطے وہ شہد نہیں بنا۔ تو شرائط ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان شرائط کے ساتھ چیز ظاہر ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہے۔ کہ ہر آدمی ہر حالت کے اندر کرے تو وہ چیز ظاہر ہو جائے کچھ شرائط اور آداب بھی ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ صورت شفا ہے۔

۱۳۔ اس سورۃ کا تیرھواں نام سورۃ وَاقِیَۃ ہے۔ بچانے والی یعنی پریشانیوں سے بچانے والی

۱۴۔ اس کا چودھواں نام کنز ہے۔ حضور علیہ السّلام کا ارشاد مبارک ہے اُعْطِیْتُ مِنْ خَزَائِنِ الْعَرْشِ مجھ کو عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ دیا گیا ہے۔

ام الکتاب و آیت الکرسی اور خواتیم سورۃ بقرہ یہ چند چیزیں ہیں جو مجھ کو عرش کے خزانے سے دی گئیں۔ ان میں پہلا نمبر سورۃ فاتحہ کا ہے۔ دوسرا آیت الکرسی اور تیسرا سورۃ بقرہ کی آخری آئتیں۔ اور طبرانی کی روایت میں سورۃ کوثر بھی ہے۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ اللہ نے یہ عرش کے خزانوں میں سے دی ہے۔ اس لیے اس کو کنز کہا گیا ہے۔

۱۵۔ اس سورۃ مبارکہ کا پندرھواں نام سورۃ الصلوٰۃ ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ میں نے نماز کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اپنے اور بندے کے درمیان نصفا نصف وَلِعَبْدِیْ مَاسَئَلَ میرے بندے کے لیے وہی ہوگا جو مانگے گا۔ فرمایا کہ جس وقت بندہ کہتا ہے

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ اور جس وقت بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ ثنا بھی تعریف کو کہتے ہیں۔ اور جس وقت بندہ کہتا ہے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری بزرگی کا اظہار کیا ہے۔ میری بزرگی اور عظمت کا اظہار کیا ہے۔ اور میرے بندے نے اپنے معاملات میری طرف سونپ دیے ہیں۔ کہ مالک تو ہی ہے۔ اس کے بعد جس وقت بندہ کہتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ۔ یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے۔ ایک کام میں کرتا ہوں۔ ایک بندہ کرتا ہے۔ اُس کے جواب میں میں کرتا ہوں۔ اور بندے کو وہی ملے گا جو کچھ اس نے مانگا۔ جس وقت بندہ کہتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھٰذَا لِعَبْدِیْ یہ بندے کے لیے ہے۔ اور بندہ جو مانگتا ہے میں اس کو دیتا ہوں۔

یہ ہے سورۃ فاتحہ کے سورۃ صلوٰۃ ہونے کی وجہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ یہ نسائی شریف، مسلم شریف اور تمام صحیح احادیث کی کتابوں میں ہے۔

اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ فاتحہ کی فضیلت بیان فرمائی۔ اس سورۃ مبارکہ کے یہ پندرہ نام ہے۔ جن میں فاتحہ مشہور ہے۔ اس کے نام وغیرہ بھی میں نے عرض کر دیے

Marfat.com

درس ۵

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ــ تا ــ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

گذشتہ سے پیوستہ

کل سورۃ فاتحہ کی فضیلت کا ذکر تھا اور ان ناموں کا ذکر تھا جو احادیث کے اندر آتے ہیں۔ اور مفسّرین کرام بیان کرتے ہیں۔ اور وہ مشہور حدیث جس کے اندر حضور علیہ السلام نے سورۃ فاتحہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس کے دو حصّے ہیں۔ ایک حصّے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے دوسرے حصّے کا تعلق بندے کے ساتھ ہے۔

نماز میں سورۃ فاتحہ کا حکم

سورۃ فاتحہ کے بارے میں اتنی بات تو معلوم ہوگئی ہے۔ کہ یہ سورۃ الصلوٰۃ بھی کہلاتی ہے کیونکہ اس کو نماز کے ساتھ خصوصیّت ہے۔ اس سورۃ کو قرآن مجید کی تمام سورتوں سے زیادہ خصوصیت ہے کہ اس کو ہر نماز کے اندر پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لیے اس کو سورۃ الصلوٰۃ بھی کہا گیا ہے۔ کہ ہر نماز کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کا حکم بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ کا نماز کے اندر پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے۔ اور اس کے اندر چونکہ محدثین اور فقہائے کرام کا اختلاف ہے اس لیے اس مسئلہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔

نماز میں مطلق قرأت فرض ہے

حضرت امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے تمام شاگرد فرماتے ہیں۔ کہ نماز کے اندر مطلقاً قرأت کرنا فرض ہے۔ نماز کے ارکان میں تکبیر تحریمہ، قرأت، رکوع، سجود اور قعدہ اخیرہ شامل ہیں۔ ان ارکان میں سے اگر کوئی رکن رہ جائے تو نماز نہیں ہوتی بلکہ باطل ہوتی ہے۔ نماز کی بعض چیزیں واجبات ہیں۔ بعض سنت میں داخل ہیں۔ بعض مستحب ہیں۔ ان کی تفصیل حدیث

Marfat.com

ہیں اور فقہائے کرام نے فقہ کی کتابوں میں بیان کی ہے۔ تو قعدہ، سجدہ، رکوع اور قیام بقدر استطاعت اور قرائت (قرآن کریم کی تلاوت) نماز میں فرض ہے ہر رکوع و سجود والی نماز خواہ فرض ہو، واجب ہو یا مستحب ہو۔ خصوصاً پنجگانہ فرض نماز اور وتر کے اندر قرائت کرنا رکن کا درجہ رکھتا ہے۔

سورۃ فاتحہ واجب ہے

امام ابو حنیفہؒ اور بہت سے ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا رکن نہیں بلکہ واجب ہے۔ اور اسی طریقے سے سورۃ فاتحہ کے ساتھ کسی سورۃ کو ملانا، ایک آیت ہو یا تین آیتیں ہوں، یہ بھی واجب ہے۔ گویا کہ سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ کو ملانا واجب ہے۔ رکن یا فرض نہیں۔ یہ واجب کا درجہ رکھتا ہے۔

رکن کے ترک کرنے سے چیز ہی فاسد ہو جاتی ہے، باطل ہو جاتی ہے، واجب کے ترک کرنے سے ناقص رہتی ہے۔ اس لیے جس حدیث کے اندر یہ وارد ہوا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نماز کے اندر فاتحہ نہ پڑھی گئی فَهِیَ خِدَاجٌ غَيْرُ تَمَامٍ وہ نماز ناقص ہے مکمل نہیں ہے تو امام ابو حنیفہؒ اسی پر محمول کرتے ہیں کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ نماز میں نقصان آتا ہے، نماز باطل نہیں ہوتی۔

اسی طریقے سے سورۃ کا ساتھ ملانا بھی واجب ہے۔ چاہے ایک لمبی آیت فاتحہ کے ساتھ ملا لے یا تین چھوٹی آیتیں۔ اتنا درجہ واجب ہے اور یہ دونوں باتیں واجب ہیں۔ اگر واجب ترک ہو جائے تو سجدہ سہو سے تلافی ہو جاتی ہے۔ سجدہ سہو کر لیا تو نماز ٹھیک ہو گئی۔ نماز باطل نہیں ہوئی۔ ہاں فرض کرو کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، نہ فاتحہ پڑھتا ہے نہ سورۃ پڑھتا ہے یا بالکل کچھ نہیں پڑھتا۔ اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یا رکوع نہیں کرتا۔ یا کھڑا ہونے کی طاقت تھی، مگر کھڑا نہیں ہوا۔ یا سجدہ نہیں کیا۔ یا آخری قعدہ نہیں بیٹھا تو نماز باطل ہو گئی۔ اس نماز کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس کو نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔

نماز کی تین حالتیں

نماز کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حالت یہ ہے۔ کہ انسان الگ نماز پڑھے اس کو انفرادی

Marfat.com

سکتے ہیں۔ دوسری حالت یہ ہے کہ امام ہو کر دوسروں کو نماز پڑھاتے۔ تیسری حالت یہ ہے کہ مقتدی ہو کر امام کے پیچھے نماز پڑھے یہ تین حالتیں ہیں۔

اس کے متعلق ائمہ کرام کا جو مسلک ہے، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی الگ نماز پڑھتا ہے، تو فاتحہ بھی پڑھے، وہ بھی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ سورۃ بھی ملائے۔ اگر نہیں ملائے گا تو نماز میں خرابی آئے گی۔ اگر امام ہے تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی فاتحہ پڑھے اور ساتھ سورۃ بھی ملائے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو نماز خراب ہو جائے۔ اگر امام کی نماز خراب ہو گی تو مقتدیوں کی نماز بھی خراب ہو گی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے۔ "اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ" امام ذمہ دار ہے، ضامن ہے۔ امام کی نماز درست ہو گی، تو مقتدیوں کی نماز بھی درست ہو گی۔ یہ بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ امام ہونے کی حالت میں جو نماز پڑھاتا ہے۔ وہ سارے نمازیوں کی نماز کا ضامن ہے۔

مقتدی فاتحہ نہ پڑھے ـــ امام اعظمؒ

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام کے لیے تو سورۃ فاتحہ کا پڑھنا لازم ہے۔ مگر امام کے پیچھے نماز پڑھنے والا مقتدی فاتحہ نہ پڑھے۔ وہ تکبیر بھی ضرور کہے گا، ثنا بھی پڑھے گا۔ تحمید بھی کرے گا تشہد بھی پڑھے گا۔ یہ نماز کے محل اور مقام کے آداب ہیں۔ ان کو مقتدی بھی انجام دے گا۔ اور امام بھی۔ قرأت کرنا امام کے ذمہ ہے۔ مقتدی کے ذمے نہیں ہے۔

یہ قرآن میں جھگڑا کرنا ہے

امام زہریؒ کی حدیث کے اندر آتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص آیا، اس نے بھی پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا۔ نماز ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کون آدمی تھا جو میرے پیچھے پڑھتا تھا۔ تو ایک شخص نے اقرار کیا کہ حضرت میں پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا بات ہے۔ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ کیا بات ہے میرے ساتھ قرآن میں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔ میں بھی پڑھتا ہوں، تُو پیچھے بھی پڑھتا ہے۔ اسی کو جھگڑا فرمایا۔ تو آگے روایت ہے امام زہریؒ کی روایت میں آتا ہے۔ فَانْتَهَی النَّاسُ لوگ رک گئے۔ جہری نماز میں امام کے پیچھے

پڑھنے سے لوگ رُک گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو بُرا منایا۔ کہ میرے ساتھ قرآن میں جھگڑا کیوں کرتے ہو۔ تو اب امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے شاگرد اور سفیان ثوریؒ اور اوزاعیؒ اور بہت سے ائمہ کرامؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے نہ تو سری نمازمیں پڑھے، نہ جہری نماز میں قرأت کرے قرأت کرنے کا حکم نہیں ہے۔ قرأت کرے گا تو مخطی ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مُسئی ہوگا جو مکروہ تحریمی کے درجہ میں ہے۔"موطا امام محمدؒ جو حدیث کی کتاب ہے۔ اور امام محمدؒ کی دوسری کتاب "کِتَابُ الْحُجَّۃ" کے اندر اسی طرح لکھا ہے فرض نماز جب مقتدی امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو مطلقاً قرأت نہ کرے نہ سری نماز میں نہ جہری نماز میں۔

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

البتہ تین امام، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ جہری نماز میں جب امام کی قرأت بلند آواز سے ہو اور سنائی دے رہی ہو، اس وقت مقتدی قرأت نہ کرے۔ منع ہے، خلاف وضع ہے اور سری نماز میں جب امام کی قرأت سنائی نہیں دیتی تو سورۃ فاتحہ پیچھے پڑھ لے، مستحب ہے۔ نہ فرض ہے نہ واجب نہ اس کے ترک کرنے سے کوئی گناہ ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں مستحب ہے۔ استحباب کا درجہ دیتے ہیں صرف سری نماز میں۔ جہری نماز میں یہ سب کہتے ہیں منع ہے۔ یہ منازعت میں داقع ہوتی ہے۔ تو ان چاروں اماموں میں سے کوئی بھی امام کے پیچھے فاتحہ کے پڑھنے کے وجوب کا قائل نہیں۔ یہ فرض ہے نہ واجب، متفق علیہ مسئلہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مطلق قرأت فرض ہے امام کے لیے جب امام قرأت کرتا ہے۔ تو مقتدی کی وضع ہی نہیں ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے۔ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ جب قرآن پڑھا جائے تم خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور قرآنِ کریم کے قرأت کے مسئلہ میں بھی فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ، قرآن میں جو حصّہ بھی میسّر ہو وہ پڑھو۔ اس سے بھی فاتحہ کے نہ پڑھنے کا مسئلہ نکلتا ہے مطلق قرأت فرض ہے جب امام نے قرأت

کی تو مقتدی کے لیے قرأت، فرض نہیں ہے۔

جن لوگوں نے کہا ہے کہ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے، وہ مستحب کہتے ہیں اب مسئلہ یاد رکھنا چاہیئے امام مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ سری نمازوں میں مستحب کہتے ہیں۔ جہری نمازوں میں وہ بھی قائل نہیں۔ کیونکہ اس کو منازعت سمجھا جاتا ہے۔ وضع صلوٰۃ کے خلاف ہے۔

سورۃ فاتحہ ضروری ہے ـــــ بخاریؒ اور بیہقیؒ کے نزدیک

البتہ محدثین میں دو شخص ایسے ہیں۔ جو اس معاملہ میں سختی کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ اور دوسرے امام بیہقیؒ متشدد ہیں۔ یہ کہتے ہیں امام کے پیچھے بھی فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔ وہ فرض کا درجہ دیتے ہیں رکن کا درجہ دیتے ہیں۔ باقی تمام محدثین الگ ہیں۔ فقہا بھی الگ ہیں کوئی فرضیت کا قائل نہیں ہے۔

اس بارے میں امام بخاریؒ نے رسالہ لکھا ہے، چھوٹی سی کتاب لکھی ہے۔ مگر جس طرح بخاری شریف اور اس کے دلائل اور صحیح احادیث جمع کئے ہیں، اس رسالہ کے اندر کچھ نہیں بہت ضعیف دلائل پیش کئے ہیں، کمزور دلائل جمع کر دیے ہیں۔ اس کی وہ حیثیت نہیں ہے جو "بخاری شریف" کی ہے۔

اسی طریقے سے امام بیہقیؒ جو چوتھی صدی کے محدث تھے، مسلکاً شافعی تھے، امام شافعیؒ کے پیروکار تھے "سنن کبری بیہقی" انہی کی جمع کی ہوئی ہے۔ دس جلدوں میں حدیث کی کافی لمبی کتاب ہے ہر قسم کی روایتیں اس کے اندر ہیں۔ صحیح بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں، غلط بھی ہیں۔ سب قسم کی روایتیں موجود ہیں۔ انہوں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اور بڑا زور لگایا ہے۔ کہ امام کے پیچھے فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔ باقی اور محدثین میں کوئی اس کا قائل نہیں۔

صحابہ کرام میں سے بھی حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے داماد، چھوٹی عمر کے صحابی محمود بن لبیدؓ یہ دونوں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے۔ باقی صحابی نہیں۔ باقی صحابہ میں سے صحیح سند کے ساتھ کسی سے منقول نہیں ہے۔ ابوہریرہ رضؓ سے دونوں باتیں منقول ہیں۔

Marfat.com

شاہ ولی اللہؒ کا مسلک

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں اپنی موطا کی شرح میں جو فارسی میں ہے۔ وہاں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جس کو رکوع مل گیا، اس کی رکعت ہو گئی، اس نے تو فاتحہ نہیں پڑھی، رکعت ہو گئی، کہتے ہیں کہ فاتحہ کا پڑھنا کوئی فرض تو نہیں ہے، واجب بھی نہیں ہے۔ اور پھر آگے یہ لکھتے ہیں کہ "کہ خواندن فاتحہ با امام در صحابہ شائع نہ بود" یعنی صحابہ کرام کے درمیان امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مشہور نہیں تھا۔ شائع نہیں تھا۔ کوئی اکا دکا ہی پڑھتا ہوگا جیسے عبادۃ بن صامتؓ۔ اکثریت نہیں پڑھتی تھی، البتہ عبادۃ بن صامتؓ کی روایت بھی ہے، ان کا عمل بھی ہے وہ پڑھتے تھے۔

امام بخاریؒ کے دلائل

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں عبادۃ بن صامتؓ والی حدیث نقل کی ہے۔ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ امام بخاریؒ نے اتنا ہی جملہ نقل کیا ہے۔ اس کے اندر ایک اور ٹکڑا بھی ہے، اس کو امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَصَاعِدًا نماز نہیں ہے مگر فاتحہ کے ساتھ اور کچھ زاید حصے کے ساتھ۔ یہ ٹکڑا امام بخاریؒ نے نقل نہیں کیا۔ یہ ٹکڑا دوسری روائتوں میں صحیح روائتوں سے ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ بھی ملانا ضروری ہے۔ تو اگر فَصَاعِدًا بھی فرض ہے۔ تو پھر جو لوگ فاتحہ کو ضروری قرار دیتے ہیں ہیں اور سورۃ کیوں نہیں پڑھتے امام کے پیچھے۔ "فَصَاعِدًا" لفظ تو آیا ہے۔ تو اس طریقے سے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت جو مسلم شریف اور ابو داؤد میں ہے اس کے اندر یہ ہے کہ اَمَرَنَا اَنْ نَقْرَأَ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَمَا تَیَسَّرَ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ سورۃ فاتحہ اور جتنا حصہ میسر ہو پڑھیں۔ اور ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت بھی آتی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ سورۃ فاتحہ وَمَا زَادَ اور کچھ زاید حصہ بھی پڑھا جائے۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اعلان کر دوں کہ بھئی لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَمَا زَادَ نماز نہیں ہوتی بغیر قرأت فاتحہ۔ اور کچھ زاید حصہ پڑھنے

Marfat.com

کے ساتھ نماز ہوتی ہے۔

مَاتَیَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

پھر امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایک آدمی نے نماز میں غلطی کی تھی۔ یہ حدیث بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کی سب کتابوں میں ہے۔ اُس سے غلطی ہوگئی تھی تو اُس نے پھر نماز پڑھی۔ فرمایا پھر بھی ٹھیک نہیں۔ پھر جا کر نماز پڑھو۔ بار بار پڑھی تو عرض کیا حضرت! میں اس سے اچھی تو جانتا نہیں ہوں مجھے فرما دیں میں کس طرح نماز پڑھوں۔ تو آپ نے فرمایا پہلے طہارت کرو۔ طہارت کرنے کے بعد کھڑے ہو اور تکبیر کہو۔ ثُمَّ اقْرَأْ مَاتَیَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ پھر جو کچھ قرآن میسّر ہو پڑھو۔ فاتحہ کی تعلیم نہیں دی۔ قرآن جتنا بھی تم کو معلوم ہو پڑھو۔ پھر رکوع کرو۔ پھر سجدہ کرو، پھر قعدہ بیٹھو، پھر سلام پھیرو۔ یہ تعلیم کے مقام ہیں، فاتحہ کی تعلیم نہیں دی۔ مَاتَیَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ جتنا قرآن تم کو میسر ہو۔ تعلیم دی ہے۔

اِذَا قَرَءَ فَانْصِتُوْا

امام مسلمؒ، ابو داؤدؒ، اور نسائیؒ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حدیث صحیح ہے، اوّل درجہ کی حدیث ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ اس کے راوی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جس وقت نماز پڑھو تو اللہ اکبر کہو اور جس وقت امام قرأت کرے۔ فَانْصِتُوْا خاموش رہو۔ جب وہ رکوع کرتا ہے۔ تم بھی رکوع کرو۔ جب وہ سجدہ کرتا ہے تم بھی سجدہ کرو۔ یہ ساری ترتیب موجود ہے۔ مگر یہ ہے اِذَا قَرَأَ فَانْصِتُوْا جب امام قرأت کرنے لگے تم خاموش رہو۔

اس کے علاوہ "موطا امام مالک" کی یہ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ جس نے رکوع پا لیا نماز میں، اس نے نماز کو پا لیا۔ "رَكْعَة" کا معنیٰ رکعت بھی کیا، رکوع بھی کیا۔ جس نے رکوع پا لیا، اس نے نماز کو پا لیا۔

امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے

اور اسی طریقے سے حضرت جابرؓ کی روایت جو "موطا امام مالک" اور "طحاوی شریف" کے اندر

ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔ "مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ" جس کا امام ہو۔ جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ اِس کو قرأت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اِس کا کام ہے پیچھے خاموش رہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول مسلم شریف میں موجود ہے "لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ" امام کے ساتھ خاموش رہو کسی نماز میں بھی۔ سری ہو۔ جہری ہو۔ موطا امام مالک کے اندر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ہر نماز جو پڑھی جائے۔ اس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص نماز ہوتی ہے۔ "اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ" مگر امام کے پیچھے اس کا حکم الگ ہے۔

محض پراپیگنڈا

تو اس واسطے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور وہ حضرات جو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے ان کا مسلک نہایت قوی اور صحیح ہے۔ لوگ غلط پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، یہ حدیث کے مخالف ہیں۔ حالانکہ حدیثوں کا بھر مار پڑا ہوا ہے۔ قرآن کی آیتیں الگ ہیں۔ اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا وجود نہیں۔ بعض حضرات نے محض غلط پراپیگنڈہ کیا ہوا ہے کہ حنفی نماز صحیح نہیں پڑھتے۔ فاتحہ نہیں پڑھتے۔ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ غلط پراپیگنڈہ ہے۔ انصاف کے خلاف ہے۔ ان احادیث کا کیا مطلب ہے۔ ایک دو بھی نہیں۔ اور صحابہ کا عمل بھی موجود ہے ائمہ کرام کے فتاوی اور عمل بھی موجود ہے۔ صرف دو امام ہیں جو اس کے خلاف زور رگا رہے ہیں اور ان کے دلائل بھی قوی نہیں ہیں۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے وقت آدھی روایت ا آدھا جملہ پیش نہیں کرتے یعنی فصَاعِدًا والا جملہ شامل کریں تو باقی قرآن بھی پڑھنا چاہیئے امام کے پیچھے۔ وہ کیوں نہیں پڑھتے۔

تو بہر حال ائمہ کرام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ صرف سری نمازوں میں وہ کہتے ہیں کہ جہاں امام کی قرأت سنائی نہ دیتی ہو، وہ آہستہ پڑھتا ہے تو پیچھے فاتحہ پڑھ لے تو مستحب ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نہ سری نماز میں نہ جہری نماز میں۔ پڑھے گا تو خطا کار ہو گا۔ اور دلائل نہایت قوی ہیں قرآن کی یہ دو آیتیں بھی بتلا رہی ہیں اور یہ تمام احادیث بھی۔ جس سے یہ معلوم ہے کہ جب علیحدہ پڑھے گا تو فاتحہ پڑھے گا، جب امام ہو گا تو پڑھے گا۔ لیکن مقتدی کا یہ فریضہ نہیں ہے۔

Marfat.com

مقتدی خاموشی سے سُنے اس کا فریضہ سُننا اور انصات ہے، خاموش رہنا ہے۔ اور اس کا کا اِس حالت میں پڑھنا قرآن میں جھگڑا ہے امام کے ساتھ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ۔ کیا بات ہے میرے ساتھ قرآن میں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام احادیث موجود ہیں۔

امام شافعیؒ کے دو قول

اور یہ جو مشہور ہے کہ امام شافعیؒ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ یہ مسئلہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ قول قدیم میں وہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے پڑھنا ضروری ہے۔ جب امام بغداد سے مصر چلے گئے۔ اور مصر میں موجود بڑے بڑے حنفی آئمہ کرام سے بات چیت چلی۔ علمی مباحث ہوئے تو امام شافعیؒ نے یہ قول ترک کر دیا۔ اور کہا کہ ہر نماز جس کے اندر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوتی ہے۔ مگر مقتدی کا حکم اِس کے علاوہ ہے۔ امام شافعی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے آخری کتاب کِتَابُ الْاُمّ جو مصر کے اندر لکھی ہے اس کی ساتویں جلد میں لکھا ہے۔ کہ جس نماز میں امام بلند آواز سے قرأت کرتا ہے، مقتدی کو فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ ہاں اگر سری یعنی خاموش قرأت کرتا ہے۔ تو اس کے اندر پڑھ لے۔ یہ پڑھنا بھی مستحب کے درجے میں ہے۔ نہ فرض ہے نہ واجب ہے۔ مسئلے کی پوزیشن یہ ہے اور حکم یہ ہے۔

اس کے بعد

سورۃ فاتحہ کی تشریح اور اِس کا ترجمہ بیان کرنے سے پہلے اِس کی فضیلت کا ذکر ہوا۔ بسم اللہ اور اعوذ باللہ کی تشریح ہوئی۔ قرآن کی تفسیر کا مسئلہ ذکر ہوا۔ اب سورۃ فاتحہ کی کچھ تشریح اور ضروری مسائل ذکر ہوں گے۔

Marfat.com

درس ۔ ۶

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳

ترجمہ اور مفہوم

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جو پرورش کرنے والا ہے۔ سب جہانوں کا ۔ الرَّحْمٰنِ جو بے حد مہربان ہے۔ الرَّحِیْمِ نہایت رحم کرنے والا۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ جو مالک ہے انصاف کے دن کا، جزا کے دن کا۔

سورۃ فاتحہ کی فضیلت اور اس کا حکم عرض کیا تھا۔ اس کے بعد یہ چند جملے اس کا ترجمہ ہے امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شکر کا معنیٰ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور اس ضمن میں انسانوں کو حکم دیا ہے کہ تم بھی اس کی تعریف کرو اور اس طرح تعریف کرو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یہ ہے اس کا مفہوم۔

دعائے سجدہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ جب آپ رات کو نفل پڑھتے تھے تو یہ دعا سجدے کے اندر مانگتے تھے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نہیں ہیں ۔ اندھیرا تھا۔ جب میں نے ٹٹولا۔ تو آپ نماز پڑھ رہے تھے اور سجدے میں تھے تو یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ اس کے یہ جملے ہیں۔ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے پروردگار میں تیری تعریف شمار نہیں کر سکتا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے یعنی مخلوق اللہ تعالیٰ کی تعریف کما حقہٗ ادا نہیں کر سکتی۔ تیری تعریف کو میں بھی شمار نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

کلماتِ حمد

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے۔ اور بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ تم بھی اللہ کی تعریف کرو۔ اللہ کی تعریف کرنا بہت ضروری ہے اور بہت فضیلت کی بات ہے اور اجر کی بات ہے وہ اس طرح کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا گیا کہ حضرت! فرمائیں اللہ کی تعریف کس طرح کرنی چاہیئے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کلمات کے ساتھ اللہ کی تعریف کی جائے جو کلمات اللہ نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب فرمائے ہیں یعنی سُبْحَانَ اللہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لہٰذا تم بھی انہیں کلمات کے ساتھ اللہ کی تعریف کرو۔ چنانچہ اللہ کی تعریف اور حمد و ثنا بیان کرنے کے لیے یہ سب سے افضل کلمات ہیں۔

سلسلہ چشت کی بارہ تسبیحات

اسی واسطے مشائخ چشتؒ کا معمول ہے کہ وہ ہر بیعت ہونے والے کو بارہ تسبیحات کی تلقین کرتے ہیں۔ ایک سو مرتبہ استغفار۔ ایک سو مرتبہ درود شریف اور ایک ایک تسبیح ان چاروں کلمات کی یعنی سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ لاالہ الا اللہ۔ اللہ اکبر۔ مشائخ چشت اسے ضروری قرار دیتے ہیں۔ (دن میں دو مرتبہ صبح و شام)

ظاہری اور باطنی نعمتیں

تو یہ افضل کلمات ہیں جن کے ساتھ اللہ کی تعریف کرنی چاہیئے اللہ کی تعریف کرنا ویسے بھی مخلوق کا فرض ہے کیونکہ تعریف کرنے سے شکریہ ادا ہوتا ہے۔ ورنہ انسان ناشکر گذار ہی سمجھا جائے گا۔

تو نعمتیں جتنی بھی ہیں اللہ ہی عطا کرنے والا ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً یعنی ظاہری بھی اور باطنی بھی۔

ظاہری نعمتیں تو ظاہر ہے انسان کا وجود ہے۔ جسم ہے۔ اس کی صحت ہے۔ روزی ہے

اولاد ہے ، مال ہے ۔ اور باطنی نعمتیں علم ہے ۔ ایمان ہے ، اچھے اخلاق ہیں ۔ پسندیدہ خصلتیں ہیں ۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی دین اور عطا ہیں ۔ اس پر ضروری ہے کہ انسان اللہ کا شکریہ ادا کرے اور شکریہ ادا کرنے کا طریقہ یہ بتلایا کہ انسان اللہ کی حمد کرے ۔ الحمد للہ کہے ۔

افضل الذکر

ترمذی شریف کی یہ حسن حدیث ہے ۔ حسن حدیث کا نمبر صحیح کے بعد دوسرا نمبر ہوتا ہے ۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے ۔ اَفضَلُ الذِّکرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ ذکر اتنا ہی ہے ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ شہادت ہے ذکر نہیں ہے ۔ یہ ذکر تو کر سکتا ہے ۔ سو دفعہ کہے ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور آخیر میں ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ گواہی دے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی برحق ہیں ۔ اور یہ طریقہ انہیں نے سکھلایا ۔ یہ گواہی کے لیے ہے ورنہ ذکر اتنا ہی ہے لا الٰہ الا اللہ ۔ یہ سب سے افضل ذکر ہے ۔ خدا تعالیٰ کی توحید کا اظہار ہوتا ہے ۔

افضل الدعا

حضور علیہ السلام نے فرمایا افضل الدعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے اس کو دُعا فرمایا ۔ کیونکہ جب انسان اِس لفظ کے ساتھ اللہ کی تعریف کرتا ہے ۔ تو اس کو اور کچھ دُعا کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ الحمد للہ ہی کہتا جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی نعمتیں حاصل ہوں گی ۔ دعا تو اس لیے کی جاتی ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ انعام فرمائے مہربانی فرمائے ۔ اِس کلمے کا مطلب بھی یہی ہے ۔ یہ دعا پر بھی مشتمل ہے ۔ دعا کی ضرورت ہی نہیں ہے ایسا ہی کہتا ہے ۔ اسی لیے مختلف مواقع کے اندر ضروری ہے ۔ کہ انسان اللہ کی تعریف کرے ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ حَالِ اَھْلِ النَّارِ ہر حالت میں اللہ کی تعریف ہے اور اللہ کی ثناء ہے ہر حال کے اندر اللہ کے لیے حمد ہے ۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اُس بندے کو پسند کرتا ہوں کہ اس کے پہلو سے اس کی جان نکل رہی ہوتی ہے ۔ لیکن اس حالت میں بھی الحمد للہ کہتا ہے ۔

وہ میرے فیصلے پر راضی ہوتا ہے۔ میں ایسے بندے کو پسند کرتا ہوں۔ تو سب سے افضل دُعا الحمد للہ ہے
مسند احمد کی ایک اور حدیث کے اندر آتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ دیکھو بھائی! اِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ الْحَمْدُ۔ تیرا رب حمد کو پسند کرتا ہے۔ جو بندہ اس کی حمد کرتا ہے۔ اللہ اس کو پسند کرتا ہے۔ اور طعام کے بارے میں آپ سنتے رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ کہ جو آدمی پانی پیتا ہے یا کھانا کھاتا ہے۔ اس پر اگر کہے۔ الحمد للہ تو اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتا ہے کہ اس بندے نے نعمت کو استعمال کیا۔ اور میرا شکریہ ادا کیا۔ ابتدا میں بسم اللہ کہے اور اخیر میں الحمد للہ۔ یہ کلمہ پاک بڑی تاثیر رکھتا ہے۔

طہارت نصف ایمان ہے

مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ۔ یاد رکھو بھائی! طہارت نصف ایمان ہے۔ شاہ ولی اللہؒ طہارت کو عام معنیٰ میں عبادت کی صفت پر محمول کرتے ہیں۔ تو طہارت کا معنیٰ ہوتا ہے۔ دل اور ظاہر اور باطن ہر چیز کا پاک صاف کرنا۔ دِل کا بھی پاک صاف کرنا، جسم کا بھی، ظاہر کا بھی اور اپنی خوراک کا بھی، لباس کا بھی، مکان کا بھی، سوسائٹی کا بھی، سب چیزوں کو پاک صاف کرنا۔ اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان وضو کرتا ہے۔ جسم اور لباس کو پاک کرتا ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔ عبادت نہیں ہوسکتی۔ اس کو نصف ایمان فرمایا۔

الحمد للہ کا اجر و ثواب

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ۔ الحمد للہ کا جو پاک کلمہ ہے۔ اس سے میزان پُر ہوجاتا ہے۔ جب نیکیاں تلیں گی اس وقت پتہ چلے گا کہ اس کا اتنا اجر و ثواب ہے جو میزان کو بھر دیتا ہے اور فرمایا جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دونوں کلمات اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو ان کی حیثیت ایسی ہوتی ہے تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو پُر کردیتی ہے۔ ان کا اتنا اثر اور اجر و ثواب ہے۔

Marfat.com

ایک حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اگر میری امت کے کسی آدمی کے ہاتھ میں ایک طرف ساری دنیا ہو۔ اور دوسری طرف وہ اپنی زبان سے الحمد للہ کہتا ہے تو قیامت کے دن یہ الحمد للہ ساری دنیا سے اس کے حق میں بہتر ہوگی۔ یہ اللہ کی تعریف ہے۔ اور تعریف کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔

ایمان والوں کی سات صفات

اسی لیے آپ قرآن مجید میں پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی جو سات صفات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں تیسرا نمبر اللہ کی تعریف کرنا ہے التَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ۔ پہلی منزل توبہ کی ہے۔ دوسری عبادت کی اور تیسری اللہ کی حمد وثنا کی ہے۔ تو ایمان والوں کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی حمد کرتے رہتے ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے لوگوں کا نام ہی حَمَّادُوْنَ ہے اللہ کی حمد کرنے والے۔ اللہ کی تعریف کرنے والے۔ ان کی صفت یہی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے۔ اس ضمن میں امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے۔ کہ بندے بھی اسی طرح اللہ کی تعریف کریں۔ بندے بھی کہیں "الحمد للہ رب العلمین"۔

اٹھارہ ہزار عالم

رب العلمین، رب کی صفت ہے۔ عالمین، عالم کو کہتے ہیں۔ اٹھارہ ہزار جہان ہیں ہم تو انسانوں کے جہان میں ہیں۔ اور باقی جانوروں کا جہان اور ہے۔ جنات کا جہان اور ہے ملائکہ کا جہان اور ہے۔ چودہ ہزار یا اٹھارہ ہزار جہان مفسرین ذکر کرتے ہیں۔ تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا، تربیت کرنے والا، ہر چیز کو حد کمال تک پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے رب العلمین اس کی صفت ہے۔ اور یوں سمجھ لیں کہ ہر چیز اُس کے قبضہ قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب کا رب اور مربی ہے اس کے سوا رب کوئی نہیں لَا رَبَّ سِوَاہُ

Marfat.com

عالمین جمع فرمایا ہے! دیکھو! کیڑوں مکوڑوں کا جہاں اور ہے درندوں کا جہاں اور ہے۔ نباتات کا جہاں اور ہے۔ جمادات کا اور ہے۔ ملائکہ وغیرہ کا اور ہے۔ مختلف اقسام کی مخلوق ہے بے شمار جہان ہیں، سب کی پرورش کرنے والا اور تربیت کرنے والا سب پر کنٹرول کرنے والا، سب کو پیدا کرنے والا، اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قرآن کریم۔ عظیم نعمت

تو انسان کے لیے ضروری ہے۔ کہ اس کی تعریف کرے۔ حمد و ثنا بیان کرے۔ اس نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ علم بھی اُسی نے دیا ہے۔ قرآن کریم جو سب سے بڑی نعمت ہے، اسی کی عطا کردہ ہے۔ کوئی آدمی اُس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اگر کسی کو قرآن کریم کا ایک لفظ بھی حاصل ہو جائے تو اپنی ساری طاقتیں صرف کر کے بھی اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اتنے کمال والی چیز عطا فرمائی ہے۔

الحمد للہ رب العلمین اس کے لیے سب تعریفیں ہیں۔ قیامت تک جتنی بھی تعریفیں ہیں۔ حقیقت میں تعریفوں کا مستحق اللہ ہی ہے وہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ خالق اور مالک ہے۔

صفاتِ الٰہی۔ رحمان و رحیم

اس کی صفات کیا ہیں۔ اس کی صفات الرحمٰن اور الرحیم ہیں۔ رحمان کے اندر وسعت جوش اور زیادتی پائی جاتی ہے۔ اس لیے اِس کی تفسیر یوں کرتے ہیں۔ رَحْمٰنُ الدُّنْیَا۔ اس کی رحمانیت کا فیض یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر نیک اور بد کو فیضان پہنچا رہا ہے۔ کافروں کو بھی بے حد و شمار نعمتیں مِل رہی ہیں۔

"ترمذی شریف" اور "ابن ماجہ شریف" کی حدیث میں آتا ہے۔ کہ اگر دنیا کی قدر و منزلت اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اس کا باغی اور مجرم ہے لیکن دیکھو! کافروں کو کتنی نعمتیں دیتا ہے۔ دنیا میں سلطنت دیتا ہے۔ اقتدار دیتا ہے۔ صنعت و حرفت میں کمال دیتا ہے، بے شمار مال اور اولاد دیتا ہے۔

Marfat.com

یہ اُس کے رحمان ہونے کا فیضان ہے۔ یہ عام ہے۔

لیکن الرَّحِیم خاص ہے۔ اسے رَحِیْمُ الْاٰخِرَۃِ کہتے ہیں۔ کہ آخرت میں جو اُس کی مہربانی ہوگی۔ وہ ایمان والوں کے ساتھ شامل حال ہوگی۔ کافر اس سے محروم رہیں گے۔ بلکہ وہ سزا کے مستحق ہوں گے تو اُس کی صفت یہ ہے۔

صفت رحمان و رحیم کی تمثیل

بعض مفسّرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ صفت رحمان اور رحیم کو اگر مثال کے طور پر سمجھا جائے تو ایسے ہے جیسے ماں باپ کی محبت ہوتی ہے۔ باپ کی محبت اولاد کے ساتھ ایسی ہوتی ہے۔ کہ وہ اس کو تمام جہان سے اچھا سمجھتا ہے۔ پیارا سمجھتا ہے۔ عزیز سمجھتا ہے۔ لیکن بسا اوقات سزا بھی دیتا ہے۔ سرزنش بھی کرتا ہے۔ تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ جب وہ غلطی کرتا ہے، باپ اس کو مارتا بھی ہے۔ اصلاح بھی کرتا ہے۔ استاذ کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ یہ صفتِ رحمان ہے۔

الرَّحِیم یعنی بے حد مہربان۔ اس کو آپ ماں کی محبت سے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ماں کی شفقت باپ سے بہت زیادہ ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر استاذ یا باپ بچے کو مارتا ہے۔ تنبیہ کرتا ہے تو ماں اُس کو بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دِل میں اتنی شفقت ڈالی ہے۔

اللہ تعالیٰ ماں سے بڑھ کر مہربان ہے

حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ کافروں کو جہاد میں پکڑ کر قیدی بنا کر لایا گیا۔ اُن میں ایک عورت بھی تھی۔ اس کا دودھ پیتا بچہ گم ہو گیا۔ اُس کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑتی تھی۔ مگر اب وہ قیدی تھی۔ جو چھوٹا بچہ اُس کو نظر آتا، اُس کو پکڑ کر چھاتی سے لگاتی ہے۔ دودھ پلانے کی کوشش کرتی ہے تو اُس کی حالت کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے فرمایا، صحابہؓ کو توجہ دلائی کہ دیکھو بھائی! کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو اٹھا کر آگ میں ڈال دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! نہیں یہ تو اپنے

Marfat.com

بچے کے گُم ہو جانے کی وجہ سے دیوانی ہوئی جا رہی ہے۔ ہر بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر چھاتی سے لگاتی ہے یہ کہاں اپنے بچے کو آگ میں پھینکے گی۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ کی قسم۔ اللہ کی محبت انسانوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اللہ کی محبت بندوں کے ساتھ بدرجہا زیادہ ہے۔ لیکن افسوس کہ انسان خود اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہیں۔ اور خود اپنے آپ کو آگ میں ڈالنے کا مستحق بناتے ہیں۔ سرکشی کرتے ہیں۔ طغیانی میں آتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں۔ ہر چیز کو بگاڑ کر دوزخ کے کندۂ ناتراش بنتے ہیں۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو اس سے کہیں بڑھ کر مہربان ہے۔

چڑیا کی مثال

ایک دفعہ ایک صحابی جنگل سے چڑیا کے بچے اٹھا کر لے آیا۔ انہیں اپنی چادر کے دامن میں ڈال لیا۔ جب بچوں کی ماں چڑیا آئی تو وہ پریشانی کے عالم میں اوپر منڈلانے لگی۔ اس آدمی نے چادر کو ذرا کھولا۔ جب چڑیا کو بچے نظر آئے۔ تو وہ ان کے اوپر آکر گر گئی۔ صحابی نے اس کو بھی بند کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ اسے دیکھ کر حضور علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے تو اس نے عرض کیا کہ یہ بچے وہاں پڑے تھے، میں اٹھا لایا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ایسا کیوں کیا۔ ابھی جا کر وہیں چھوڑ دو۔ صحابی نے سارا قصہ سنایا کہ ان کی ماں اوپر منڈلا رہی تھی، پھڑ پھڑا رہی تھی جب میں نے چادر کھولی تو وہ بھی اوپر آ کر گر گئی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ دیکھو! یہ ایک پرندہ ہے۔ اس کے دل میں اتنی محبت ہے۔ یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق اور اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔ خدا تعالیٰ کبھی بھی ایسا نہیں کرتا کہ اپنے بندوں کو بلا وجہ سزا میں مبتلا کرے۔ لیکن انسان خود ہی سرکشی اختیار کرتا ہے۔ نافرمانی کرتا ہے تو اس چیز کا مستحق بنتا ہے۔

تو رحمان کا معنی ہے بے حد مہربان۔ اس کی نعمتوں اور اس کی مہربانیوں کی کوئی حد نہیں ہر ایک کے لیے موافق ہو یا مخالف۔ اور رحیم حد سے زیادہ مہربانی کرنے والا بالخصوص ایمان والوں کے ساتھ۔ آخرت میں اس کی شفقت حد کمال تک پہنچی ہوئی ہوگی۔

Marfat.com

بندہ بھی اپنے اندر رحمانی صفت پیدا کرے

جب انسانی سوسائٹی تیار ہوگئی تو حکم ہوا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ تمہارا خالق، مالک اور رب ہے اس کی صفت رحمان اور رحیم ہے۔

تو اے انسانو! تم بھی اپنے اندر رحم کی صفت پیدا کرو۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ترمذی شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آتا ہے اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ تم زمین والے انسانوں پر رحم کرو یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ تم پہ اللہ تعالیٰ جو بلندیوں والا ہے وہ رحم فرمائے گا۔ حکم ہوتا ہے۔ خدا رحیم ہے۔ لہٰذا انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے اندر رحمان کی صفت پیدا کرے۔ کسی پر زیادتی نہ کرے۔ کسی کے ساتھ ظلم نہ کرے۔ کسی کا حق نہ چھینے۔ کسی کو ناحق نہ مارے۔ یہ تمام بات اس کے ضمن میں سمجھ میں آتی ہے۔

یاد رکھو! انسانی سوسائٹی میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ یعنی اے لوگو! میں نے ظلم اور زیادتی کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا ہے۔ فَلَا تَظَالَمُوْا لہٰذا تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

اگر ظلم و زیادتی کرو گے۔ رحم کی صفت کے خلاف چلو گے۔ بجائے رحیم ہونے کے ظالم بنو گے تو یاد رکھو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ انصاف کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔ وہ سزا دے گا۔ آخر ہی عدالت میں جانا پڑے گا۔

دِین جزاء کو بھی کہتے ہیں اور ملت کو بھی۔ یہاں پر جزاء مراد ہے۔ اگر ملت مراد ہو تو اس کا مالک بھی اللہ ہی ہے۔ کیونکہ دین تو خدا کا ہے۔ اسی کا قائم کیا ہوا ہے۔ انسان کا وضع کردہ نہیں ہے پیغمبر تو خدا تعالیٰ کی جانب سے مبلغ ہوتے ہیں۔ اس دین کو مخلوق تک پہنچانے کے لیے واسطہ ہوتے ہیں۔ تو حقیقت میں ملت کا مالک بھی خدا ہی ہے۔ لیکن اس مقام میں دین

Marfat.com

کا معنیٰ جزا ہے۔ اور انصاف ہے۔ انصاف کا مالک بھی وہی ہے۔ پھر وہ تمہیں گرفت کرے گا۔ اگر تم زیادتی کرو گے۔

توسب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا اور پالنے والا ہے مالک ہے ریت کے ذرے سے لے کر انسان تک۔

تبلیغ دین مسلمان کا فرض ہے

دوسرے معنی میں اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد و ثنا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ صرف مسلمانوں کا مالک ہے بلکہ تمام اقوام کا مالک ہے، ساری بنی نوع انسان کا وہی رب ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر سب سے زیادہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالےٰ کی اس کتاب کو تمام اقوام تک پہنچائیں۔ کیونکہ خدا تو سب اقوام اور انسانوں کا رب ہے۔ انسان چھوڑ کر عالم کا لفظ فرمایا جو بڑی عمومیت رکھتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ خدا کے دین اور قرآن کو جس کی وضع اور موضوع (SUBJECT) انسان ہے، اس سے انسانیت کو محروم نہ رکھیں۔ بلکہ اس تک پہنچائیں۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بے حد مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اگر تمہارے اندر رحم کی صفت نہیں آئے گی۔ ظلم و زیادتی کرو گے، تو پھر انصاف کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔ وہاں انصاف ہو کر رہے گا۔ ضرور تم سے بدلہ اور انتقام لیا جائے گا۔ اور مظلوم کی دادرسی ہوگی۔ اس کو ایسے ہی نہیں چھوڑا جائے گا۔ آخری عدالت اللہ تعالیٰ کی ہے اور ہر ایک کو اس میں پیش ہونا ہے۔

درس ۷

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳﴾ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴿۴﴾

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جو پالنے والا ہے سب جہانوں کا بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا۔ مالک روزِ جزا ہے۔ اے اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔

گذشتہ سے پیوستہ

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد اس کی صفات رب، رحمان، رحیم اور مالک کا ذکر کیا۔ اور ان صفات کے ساتھ اس کی تعریف کی۔ یہ غائبانہ بات چل رہی تھی۔ اب آگے براہِ راست خطاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے کے بعد کہ ربّ بھی وہی ہے۔ رحمان بھی، رحیم بھی اور مالک بھی وہی ہے۔ اب اللہ واجب الوجود یعنی وہ ہستی جو ان صفات کی مالک ہے۔ اُس سے براہِ راست خطاب کرتے ہوئے اِیَّاكَ نَعْبُدُ یعنی ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ عبادت اور باقی تمام کاموں کے متعلق جن میں سرفہرست عبادت ہے، ان کے متعلق بھی تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔

مؤخر کو مقدم کرنے کی وجہ

اِیَّاكَ یہ ضمیر ہے۔ خاص تیری۔ تو اسلوب کلام کے اعتبار سے کہتے ہیں کہ یہ تو مفعول ہے۔ اس کو بعد میں ہونا چاہیئے تھا۔ پہلے نَعْبُدُ ہوتا۔ نَسْتَعِیْنُ ہوتا اور پھر اِیَّاكَ ہوتا

Marfat.com

عبادت کرتے ہیں ہم تیری۔ مدد چاہتے ہیں ہم تجھ سے۔ لیکن یہاں مفعول کی ضمیر کو مقدم لایا گیا۔ تو علم معانی والے یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جس چیز کا حق مؤخر ہوتا ہے، اس کو مقدم لانے کے اندر کوئی خاص وجہ ہوتی ہے۔ اور یہاں خاص وجہ یہ ہے کہ عبادت کا حصر کرنا مقصد ہے۔ اور استعانت کا حصر کرنا مقصد ہے۔ کہ عبادت صرف تیری ہی ہو سکتی ہے۔ اور کسی کی ہو نہیں سکتی۔ اور مدد تجھ سے طلب کی جا سکتی ہے۔ اور کوئی مدد دینے والا نہیں۔ جس کا حق مؤخر تھا۔ اس کو مقدم کیا۔ تو اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ حصر عبادت اور حصر استعانت مراد ہے اللہ کی ذات سے۔ عبادت بھی منحصر ہے بند ہے اللہ کی ذات سے اور استعانت بھی بند ہے۔ ایّاک کو مقدم لانے سے یہ فائدہ حاصل ہوا۔

مردم خیز خطہ

امام محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازیؒ فرماتے ہیں۔ فخر الدین رازیؒ نہیں بلکہ امام محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازیؒ۔ ری کا شہر بڑا مردم خیز خطہ تھا۔ امام رازیؒ بھی وہیں کے تھے۔ ابو بکر جصاص رازیؒ بھی وہیں کے تھے۔ محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازیؒ بھی وہیں کے تھے جنہوں نے لغت کی کتاب لکھی ہے مختار الصحاح۔ اور قرآن کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ اور ایک مختصر تفسیر لکھی ہے۔ اس میں صرف اشکالات ہی ذکر کئے ہیں۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں پر جو اعتراضات، اشکالات وارد ہوتے ہیں، اُن کا حل کیا ہے۔ وہ کوئی جگہ ہی ایسی خاص تھی جس کو قرآن کریم کے ساتھ نسبت تھی۔ وہاں کے علماء نے قرآن کی بڑی خدمت کی ہے۔

توحید فی العبادت

محمد بن ابی بکر عبد القادر رازیؒ لکھتے ہیں کہ پہلے "نستعین" ہوتا۔ اعانت مقدم ہوتی۔ پہلے کام کی توفیق ہو، پھر کام ہو۔ مگر یہاں پہلے عبادت کا ذکر کیا "نعبد" یعنی پہلے استعانت طلب کی جاتی کہ اے اللہ! تو ہمیں توفیق دے کہ ہم تیری عبادت کریں۔

پھر فرماتے ہیں کہ اس اشکال کا حل یہ ہے۔ کہ استعانت تو مقدم ہوتی ہے۔ اور عبادت بعد میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم میں یہ بات مسلم ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

توفیق اللہ کے ساتھ ہی ہے۔ اللہ جس کام کی توفیق دے، انسان سے وہ کام ہو سکتا ہے۔ اگر توفیق نصیب نہ ہو تو وہ کام نہیں ہو سکتا۔ یہی ہے وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ آپ صبر کریں لیکن آپ کو صبر کرنے کی جب توفیق اللہ دے گا تو صبر بھی نصیب ہوگا۔ یہ تو اس کی مشیت اور توفیق پر موقوف ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ استعانت اور توفیق پہلے طلب کی جاتی لیکن یہاں عبادت کا ذکر اس لیے پہلے کیا گیا ہے۔ کہ عبادت کے اندر توحید کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ عبادت کی ایک قسم توحید فی العبادت بھی ہے۔ توحید کی ایک قسم توحید فی العبادت ہے۔ یعنی عبادت کے اندر توحید دوسرا وجود کے اندر توحید۔ توحید کا تعلق عقیدے سے ہے۔ اور عقیدہ مقدم ہے۔ اس واسطے عبادت کا ذکر پہلے کیا۔ آدمی پہلے کم از کم مؤحد ہو، توحید کو ماننے والا ہو، پھر اس کو عبادت کی استعانت نصیب ہو۔ اگر اس کا عقیدہ اور فکر ہی فاسد ہے۔ تو اس کی عبادت ٹھیک نہیں ہے۔ اس واسطے عبادت کے اندر چونکہ توحید آئی ہے۔ کہ توحید فی العبادت بھی توحید کی ایک قسم ہے لہذا اس کو مقدم بیان کیا گیا ہے۔ توفیق بعد میں ذکر کی گئی ہے پہلے انسان کا عقیدہ، انسان کی فکر صحیح ہو، تب عبادت مقبول ہوتی ہے۔ اگر عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ تو عبادت مقبول نہیں ہے۔ وہ عبادت بے سود ہے۔

عبادت کی قبولیت صحت عقیدہ پر منحصر ہے

چنانچہ کافر کی عبادت مردود ہے۔ کیونکہ اُس کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ مَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ یعنی جو آدمی بھی نیک کام کرے گا، بشرطیکہ مومن ہو۔ ایمان شرط ہے۔ توحید کا عقیدہ صحیح ہو۔ تب عبادت اور نیکی مقبول ہوگی۔ جس کا عقیدہ صحیح نہیں ہوگا اس کی نیکی پہ آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ قرآن میں موجود ہے، بڑی بڑی نیکیاں، پہاڑوں جتنی ہوں گی۔ لوگ جائیں گے۔ لیکن وہ خاک کے ذرات کی طرح وہاں بے قدر ہوں گی۔ کیونکہ اس نیکی کے تحت عقیدہ صحیح نہیں۔ اور وہ نیکی فاسد تھی۔ اس واسطے بنیاد عقیدے پر ہے۔ اگر انسان کا توحید فی العبادات کا عقیدہ درست ہے تو پھر اس کو استعانت بھی مانگنی چاہیئے۔ اور عبادت بھی کرنی چاہیئے۔ ورنہ نہیں۔

Marfat.com

عبادت انسان کے لیے ایک ضروری امر ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو حقیقی سعادت اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتی۔ جب تک وہ خدا کی عبادت نہیں کرے گا۔ اور عبادت کے شرائط میں داخل ہے۔ کہ پہلے عقیدہ صحیح ہو۔ حوامیم سورتیں جن کی بڑی اہمیت ہے۔ اور جن کو قرآن کا لب لباب کہا گیا ہے۔ ان کے اندر یہی ہے فَاعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ یعنی اللہ کی عبادت کرو اور دین میں اُس کے لیے اخلاص کرنے والے ہو۔ اخلاص فی الدین تب ہی ہوگا جب انسان کے اندر شرک، کفر، نفاق والی بات نہ ہو۔ عقیدہ پاک ہو۔

اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر

حدیث میں آتا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے۔ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ اللہ کا کیا حق ہے بندوں پر۔ معاذؓ نے عرض کیا۔ حضور! اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یاد رکھو کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اَنْ یَّعْبُدُوْهُ وَلَا یُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا کہ بندے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ یہ اللہ کا حق ہے تمام مخلوق پر، تمام بندوں پر،

تو عبادت اللہ کا حق ہے۔ اور یہ فرض ہے۔ یعنی ضروری حق ہے۔ کوئی بندہ اِس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ کوئی بھی آدمی جو عقل رکھتا ہو۔ مرد ہو، عورت ہو۔ کسی جنس کا ہو، کسی قوم، خاندان یا قبیلے یا ملک کا رہنے والا ہو، ہر بندے کے ذمے ضروری ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے یہ بندوں پر اللہ کا حق ہے۔ اور اِس عبادت کے بغیر اُن کو حقیقی سعادت نصیب نہیں ہوسکتی۔ اور اگر سعادت نصیب نہ ہو تو انسان بدبخت ہوگا اور ناکام ہوگا۔ اس لیے اللہ کا یہ حق بندوں پر ضروری ہے۔

بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر

پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا معاذ! تم جانتے ہو بندوں کا کیا حق ہے اللہ تعالیٰ کے ذمے۔ عرض کیا۔ حضور! اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں فرمایا۔ کہ بندوں کا حق اللہ کے ذمے یہ

Marfat.com

ہے کہ جب بندے اللہ کی توحید کو مانیں، اُس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ شرک نہ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔ یہ بندوں کا حق اللہ نے اپنے ذمے رکھا ہے۔ یہ فرض نہیں ہے۔ بندوں کا حق جو اللہ نے لیا ہے وہ اپنی مہربانی کے ساتھ لیا ہے۔ اگر بندے خالص میری عبادت کریں گے شرک نہیں کریں گے تو میں اُن کو دوزخ میں نہیں ڈالوں گا۔ سزا نہیں دوں گا۔ اَنْ لَّا اُعَذِّبَهُمْ۔ جیسا کہ دوسری آیت میں آتا ہے۔ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ ہمارے ذمے یہ بات حق ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے۔ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اور ہم ایمان والوں کی مدد کرتے ہیں۔

بہر حال یہ حق اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی اپنے فضل سے، اپنے کرم سے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں۔ باقی جو اللہ کا حق بندوں پر ہے وہ قطعی، اٹل اور یقینی ہے۔ کہ بندے خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ تو عبادت انسان کے ذمے ضروری ہے۔

الوہیت کیلئے چار شرطیں

۱۔ واجب الوجود

ایک اور بات بھی ہے۔ یہ جو پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات ذکر کی گئی ہیں۔ اور اس کے بعد یہ خطاب کیا گیا اِیَّاکَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم خالص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی اور آسمانی کتابوں کی تعلیم ہے۔ کہ عبادت کا مستحق وہ ہو سکتا ہے۔ جو واجب الوجود ہے۔ اللہ کا لفظ واجب الوجود پر ہی دلالت کرتا ہے۔ اللہ کا معنیٰ واجب الوجود۔ "مُسْتَجْمِعٌ لِجَمِیْعِ صِفَاتِ الْکَمَالِ مُبَرًّا عَنِ النَّقْصِ وَالزَّوَالِ"۔ وہ ذات جو واجب الوجود ہے واجب الوجود کا معنیٰ کہ جس کا وجود خود بخود ہے۔ جس کی ذات خود بخود ہے اللہ کے سوا جتنی بھی چیزیں ہیں وہ تمام ممکن الوجود ہیں ان کا وجود دیا ہوا ہے۔ خدا کا عطا کیا ہوا ہے۔ کسی کا وجود اپنا ذاتی نہیں ہے۔ اس لیے عربی میں اللہ جو نام ہے۔ یہ ذاتی نام کہلاتا ہے۔ باقی صفاتی نام ہیں۔ فارسی میں اس کو خدا کے ساتھ تعبیر کیا

جانتا ہے۔ خدا، اللہ کے لفظ کا ترجمہ ہے۔ خدا خود بخود ہی تمام چیزوں کا مالک ہے۔ وجود بھی اپنا ہے اس کی ہر چیز اپنی ہے کسی سے مستعار نہیں ہے۔ تو عبادت کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے۔ جو واجب الوجود ہے۔ خدا کے سوا واجب الوجود کوئی نہیں کسی کا وجود خود نہیں ہے بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ لہذا ممکن الوجود ہے۔ اور ممکن الوجود چیز اللہ نہیں ہو سکتی۔ اس کی عبادت جائز نہیں ہے وہ تو ممکن ہے۔ اور ممکن چیز کا عدم اور وجود برابر ہوتا ہے۔ جس طریقے سے اسکا وجود ہوتا ہے اسی طریقے سے اس پر عدم بھی آتا ہے۔ اس پر نیستی بھی طاری ہوتی ہے۔ اس پر فنا بھی آتی ہے۔ اس کو بقا نہیں ہے۔ کیونکہ کُلُّ شَیْءٍ ہَالِكٌ اِلَّا وَجْھَہٗ۔ ہر چیز فانی ہے یا بالفعل فانی ہے یا فنا ہو جائے گی۔ اِلَّا وَجْھَہٗ مگر صرف خدا کی ذات ایسی ہے جو ازلی ابدی قائم دائم ہے قیوم اس کو کہتے ہیں جو خود قائم ہے اور باقی چیزوں کو قائم کرنے والا ہے۔ اس کی حیات ذاتی ہے۔ اس کی ہر چیز ذاتی ہے۔ تو عبادت کا مستحق وہ ہو سکتا ہے۔ جو واجب الوجود ہے۔

۲۔ قادرِ مطلق

عبادت کا مستحق وہ ہو سکتا ہے۔ جو قادر مطلق ہو۔ وہ جس طریقے سے چاہے کام کرے۔ اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ تو عبادت کے لائق وہ ذات ہو گی، جو قادر مطلق ہو گی۔

۳۔ علیمِ کُل

تیسری بات یہ ہے۔ کہ عبادت کا مستحق وہ ہو سکتا ہے جو علیم کل ہو۔ ہر چیز کو جاننے والا ہو سو علیم کل بھی خدا کی ذات کے سوا کوئی نہیں۔ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ جو ہر ذرّے ذرّے کا علم رکھتا ہو۔ سب کا علم محدود ہے۔ نبیوں کا علم محدود ہے۔ ملائکہ کا علم محدود ہے۔ اولیاء اللہ کا علم محدود ہے۔ انسانوں کا علم محدود ہے۔ کسی کا علم محیط نہیں یعنی خدا کے سوا کوئی علیم کُل نہیں ہے۔

۴۔ خالق

اسی طریقے سے خدا کے سوا خالق بھی کوئی نہیں ہے۔ عبادت اس کی ہو سکتی ہے جو خالق ہو۔ اور یہ چیز بھی قرآن میں صاف ہے "اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ"۔ "اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ" خلق اسی کا کام ہے۔ خالق اور کوئی نہیں ہے۔ باقی سب چیزیں مخلوق ہیں۔ مخلوق کی عبادت کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ" جو ہستی پیدا کرتی ہے وہ اور جو خود پیدا کئے ہوئے

Marfat.com

ہیں ایک جیسے ہیں ان کو تم خدا کی عبادت میں شریک کرتے ہو۔ تو خالق بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ خالق ایک ہے۔ فرمایا ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ کوئی خالق ہے۔ جو زمین و آسمان سے تمہاری روزی کا بندوبست کرتا ہو۔ تو خالق بھی اللہ ہے۔

معبود وہ ہو سکتا ہے۔ جو خالق ہو۔ واجب الوجود ہو۔ قادر مطلق اور علیم کل ہو۔ جس کو سب چیزوں کا پتہ ہو۔ جو نافع اور ضار ہو۔ نفع نقصان پہنچانا بھی اُس کے قبضہ قدرت میں ہو۔ عبادت بھی اُسی کی ہو سکتی ہے۔ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ تو دیکھو! رب بھی حقیقی معنوں میں خدا کے سوا کوئی نہیں مالک بھی خدا ہی ہے۔ واجب الوجود بھی وہی ہے لہٰذا عبادت صرف اسی کی ہو سکتی ہے۔

توحید کے چار درجے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوئیؒ فرماتے ہیں۔ توحید کے چار درجے ہیں۔ دو درجوں میں مشرک بھی متفق ہیں اور دو درجوں میں یہ ایمان والوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔

توحید فی الخلق۔

جہاں تک پیدا کرنے کے بارے میں توحید کا تعلق ہے۔ دہریوں کو چھوڑ کر باقی تمام دنیا کے انسان خالق اللہ کو مانتے ہیں۔ دہریے دنیا میں بہت تھوڑے ہیں۔ پہلے بھی تھوڑے تھے۔ اب بھی تھوڑے ہیں۔ کیونکہ دہریت فطرت کے خلاف چیز ہے۔ سو دہریوں کے سوا باقی تمام لوگ خالق اللہ کو مانتے ہیں جس سے پوچھو، کائنات کو کس نے پیدا کیا، خدا نے۔ کوئی بھگوان کہے گا۔ کوئی گاڈ (God) بھی، لیکن مراد وہی ہے۔ اس درجے پر سب لوگ متفق ہیں کہ خالق اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

واجب الوجود

اس درجے میں بھی سب متفق ہیں۔ وہ ذات جس کا وجود خود بخود ہے یعنی واجب الوجود بھی خدا کے سوا کوئی نہیں۔ ظاہر ہے کہ باقیوں کا وجود اور اس کے تابع تمام چیزیں اسی کی دی ہوئی ہیں۔ واجب الوجود ایک ہی ہے۔ خالق بھی ایک ہی ہے۔

یہ دو درجے توحید کے متفق علیہ ہیں۔ ان کو سب انسان مانتے ہیں۔

توحید فی العبادت

تیسرا درجہ توحید فی العبادت کا ہے۔ اس میں یہودی نصاریٰ اور مشرک ایمان والوں سے الگ ہو گئے۔ عبادت بھی صرف اللہ کی ہی ہو سکتی ہے۔ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ نجومیوں نے ستاروں کی عبادت شروع کر دی، قبر پرستوں نے قبر کی اور جنات کی عبادت شروع کر دی۔ نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو الٰہ کہا۔ اور اسی طریقے سے تمام مشرک یہاں سے الگ ہو گئے۔ تو ایمان والے کہتے ہیں کہ عبادت بھی صرف اللہ کی ہو سکتی ہے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا کفر ہے۔ شرک ہے۔ بغاوت ہے۔ کیونکہ اور کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو معبود، الٰہ ہو اور عبادت کی مستحق ہو۔ عبادت کی مستحق صرف خدا کی ذات ہے۔ یہ عبادت کے اندر لوگ شرک کرتے ہیں۔

تدبیر۔

ایمان والے کہتے ہیں کہ مدبّر بھی صرف خدا ہے۔ اور کوئی مدبّر نہیں۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ۔ بلندیوں سے لیکر پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر کرنے والا کون ہے۔ جواب ہوتا ہے۔ اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ تو مشرک لوگ دوسروں کو بھی تدبیر کے اندر شریک مانتے ہیں کہ ان کو بھی کوئی اختیار ہے۔ یہ بھی کچھ کرتے کراتے رہتے ہیں۔

یہ دو درجے ہیں جن کے اندر آ کر خرابی پیدا ہوتی ہے۔ عبادت میں کہ دوسروں کی عبادت کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اور تدبیر میں کہ یہ صفت اللہ کے سوا اوروں کے اندر مانی تو مشرک اور کافر ہو گئے۔

شرک فی الصفات

اس کے علاوہ صفات کے اندر عام طور پر شرک کیا جاتا ہے۔ مثلاً خدا کے علاوہ دوسرے کو قادر مطلق ماننا۔ چنانچہ کم فہم لوگوں نے ولی کی کرامت دیکھی تو اس کا ذاتی فعل سمجھ لیا۔ لہٰذا مشرک اور کافر بنے۔ یہ اس کا فعل نہیں تھا بلکہ اللہ نے اُس کے ہاتھ پر ظاہر کیا تھا۔

کسی نے علم کی صفت میں دوسرے کو شریک کیا۔ ہاں جی! ہمارے پیر صاحب بھی ہماری مخفی باتوں کو جانتے ہیں۔ دل کی بات کو جانتے ہیں۔ جب ہم پریشان ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔

Marfat.com

لہذا یہ بھی شرک اور کفر میں مبتلا ہو گئے۔ کیوں کہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پیغمبر بھی نہیں جانتا جب تک خدا نہ بتلا دے۔

ایک غریب مسلمان مسجد میں جھاڑو پھیرتا تھا، وہ فوت ہو گیا۔ صحابہؓ نے دفن کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔ کیونکہ پیغمبر کا جنازہ پڑھنا خصوصیت رکھتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ قبریں اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں۔ میری نماز پڑھنے سے خدا ان کو روشن کر دیتا ہے پھر فرمایا۔ چلو قبر پہ چلو۔ فرمایا دُلُّونِی مجھے بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے۔ پتہ نہیں تھا۔ نہیں جانتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا حضور! یہ قبر ہے۔ وہاں آپ نے جنازہ پڑھا۔ یہ خصوصیت ہے۔ باقی لوگوں کے لیے یہ بات نہیں ہے۔ کہ ہر ایک آدمی کی وجہ سے قبر روشن ہو جاتی ہو یہ تو پیغمبر کی خصوصیت ہے۔

حضور علیہ السلام دعا کے لیے چلے گئے۔ حضرت عائشہؓ نے تعاقب کیا۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا، عائشہ کدھر گئی تھی۔ کیا بات ہے۔ عائشہؓ نے عرض کیا کوئی بات نہیں۔ فرمایا بتلا دو، ورنہ علیم اور خبیر مجھے بتلا دے گا۔ وحی نازل ہو جائے گی۔ خود نہیں جانتے جب تک علیم اور خبیر نہ بتلائے۔

بہر حال یہ لوگ علم میں، قدرت میں، ارادے میں یا مشیت میں شرک کرتے ہیں۔ تو عبادت خدا کے سوا نہیں ہو سکتی، کیونکہ عبادت کا مستحق اور کوئی نہیں۔ نہ کوئی واجب الوجود ہے، نہ خالق، نہ علیم کل، نہ قادر مطلق، نہ نافع اور ضار۔ لہذا جس ہستی کے اندر یہ چیزیں ہوں گی وہی ذات عبادت کے لائق ہو گی۔ چونکہ یہ بات خدا کے سوا کسی اور کے اندر نہیں ہے۔ لہذا خدا کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔

اسی لیے کہا اِیَّاکَ نَعْبُدُ اے اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ نَخُصُّکَ بِالْعِبَادَۃِ عبادت کے ساتھ ہم تیری ہی ذات کو مخصوص کرتے ہیں۔ عبادت کا اہل اور کوئی نہیں۔ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور خاص تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں کیونکہ مافوق الاسباب اور غائبانہ مدد کرنے والا تیرے سوا اور کوئی نہیں۔

عبادت اور استعانت کے متعلق تھوڑی سی تشریح اور کی جائے گی۔

Marfat.com

درس ۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳﴾ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴿۴﴾

گذشتہ سے پیوستہ

پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہوا۔ ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان ہوئی۔ ہر آدمی کو حکم ہے کہ وہ کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو صفات کا ذکر کرکے اللہ کی پہچان کرائی گئی۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں وہ تمام عالموں کا رب ہے۔ تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے وہ بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور روزِ جزا کا مالک ہے اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام بھی بیان ہوگیا۔ کیونکہ ذاتی نام اللہ واجب الوجود پر دلالت کرتا ہے باقی صفاتی نام ہیں۔ دنیا میں ماں باپ کی شفقت اور مہربانی سے رحم کا سلسلہ سمجھ میں آسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس سے بڑھ کر مہربان اور شفقت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ پھر مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ یہ انصاف کے دن کا مالک ہے۔ یہ جملہ مظلوم اور دکھی انسانوں کے لیے مرہم کا درجہ رکھتا ہے۔ دنیا میں جس شخص کو اذیت دی گئی ہے تکلیف پہنچائی گئی ہے یا اُس کا حق چھینا گیا ہے، اُس پر ظلم کیا گیا ہے۔ جب وہ یہ جملہ پڑھتا ہے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی وہ انصاف کے دن کا بھی مالک ہے۔ انصاف تو ایک دن ہوکر رہیگا۔

غائبانہ حمد وثنا کے بعد براہِ راست خطاب شروع کردیا اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔

اے اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ کیونکہ عبادت کا اہل اور مستحق اور کوئی نہیں۔ یہ صفات اور کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ لہذا عبادت کا اہل بھی تیرے سوا کوئی نہیں۔ اور ہم مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں کیونکہ کوئی اور اس قسم کی مدد کرہی نہیں سکتا۔ اس کے سوا کوئی مستقل بالذات مالک اور مختار نہیں۔ باقی جتنے بھی ہیں سب

Marfat.com

محتاج اور عاجز ہیں۔ وہ خود مانگتے ہیں۔ اس لیے ہم ان سے مدد نہیں مانگ سکتے۔ نہ ان کو اہل سمجھتے ہیں

عبادت کا مفہوم

عبادت اور استعانت کے ذکر کے بعد اب عبادت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ عبادت کیا چیز ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں "حقیقتِ عبادت تصحیح نسبتِ عبودیت است" حقیقت میں عبادت جو ہے عبودیت کی نسبت کو صحیح کرنے کا نام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانیت کی نسبت کی درستگی۔ وہ اس طرح کہ انسان اپنے آپ کو ممکن خیال کرے یعنی میں تو پیدا کیا ہوا ہوں۔ خدا نے مجھ کو وجود کی نعمت بخشی ہے۔ میں خود بخود کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ میں ممکن ہوں، واجب نہیں۔ واجب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس چیز کو انسان اچھی طرح سے پہچانے۔ عبادت میں اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ضروری ہے۔ کہ انسان ممکن ہے۔ جو نیستی سے آتا ہے۔ اور اس کے بعد بھی نیستی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی مہربانی سے اُسے چند دن کے لیے ظاہر کر دیا۔ اُس کا عدم اور وجود برابر ہوتا ہے۔

انسان مملوک ہے، مالک نہیں

انسان اپنے آپ کو مملوک خیال کرے۔ مالک اللہ ہے۔ ہر ایک اللہ ہی کا مملوک اور غلام ہے۔ اپنے آپ کو مقہور خیال کرے کیونکہ اللہ جب چاہے گا، دبا دے گا۔ "ھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ" خدا کو قاہر سمجھے۔ اپنے آپ کو غالب نہ سمجھے کہ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ نہیں بلکہ قاہر تو خدا کی ذات ہے۔

انسان مقدور ہے، قادر نہیں

اسی طریقے سے اپنے آپ کو مقدور خیال کرے۔ کہ میں اللہ کی قدرت میں ہوں۔ قادر خدا ہے قدرت کا مالک وہ ہے۔ میں تو مقدور ہوں۔ اسی طرح اپنے آپ کو مامور خیال کرے۔ کہ میں تو حکم پہ چلنے والا ہوں۔ حکم کی تعمیل کرنے والا ہوں۔ حکم دینے والا خدا ہے۔ اور اپنے آپ کو ہمیشہ

عاجز خیال کرے۔ اور مالک کے بارے میں یقین رکھے کہ عزت والا وہی ہے "اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا" میں تو عاجز بندہ ہوں جیساکہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔" اے لوگو! تم سارے کے سارے محتاج ہو۔ غنی صرف اللہ کی ذات ہے۔

انسان کی نسبت اللہ تعالیٰ سے

موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو کہا۔ "رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ۔" پروردگار میں تو فقیر ہوں جو بھی چیز تو میری طرف نازل فرمائے، موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو فقیر یعنی محتاج کہا۔ اصل میں فقر کہتے ہیں جس کی کمر کا مہرہ ٹوٹا ہوا ہو۔ ظاہر ہے وہ عاجز ہونے کی نشانی ہے۔ فقیر اسے بھی کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مسکین اُس کو کہتے ہیں جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ اس کی ضروریات پوری ہوسکیں۔ فقیر اور مسکین کو زکوٰۃ دینے کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ مستحقین میں سے ہیں۔ اسی طریقے سے اپنے آپ کو محتاج اور عاجز خیال کرے۔ اور خدا کو مالک اور عزت والا، انسانیت کی یہ نسبت اپنے مالک کے ساتھ ہوگئی۔

معرفتِ الٰہی اور عبادت

جب نسبت متعین ہوگئی کہ ہماری یہ پوزیشن ہے۔ ہم اِس درجے میں ہیں۔ تو بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اللہ نے انبیاء کو اسی لیے مبعوث فرمایا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی پہچان کرائیں۔ اپنے آپ کو یہ سمجھو، خدا تعالیٰ کو یہ سمجھو۔ پہچان کے بعد پھر عبادت ہوگی۔ اِسی سے بات چلے گی۔

اب عبادت بھی اُسی کی ہوسکتی ہے۔ اور استعانت بھی اُسی سے ہوسکتی ہے، جب کوئی آدمی اِس بات کو اچھے طریقے سے سمجھ لیتا ہے کہ اس کا خالق، قادر، مختار، نافع، ضار، معطی صرف خدا ہے۔ اور یہ صفات اس کے علاوہ کسی اور کے اندر نہیں ہیں۔ اِس کے باوجود اگر کوئی انسان اپنی حاجتیں اور ضرورتیں غیروں سے مانگے گا تو غیر کی عبادت کرے گا اور مشرک کہلائے گا۔ یہ مشرک ہے۔ شریف آدمی نہیں ہے۔ یہ آزاد نہیں، غلام ہے، مدد مانگے گا تب

Marfat.com

بھی مشرک ہوگا، عبادت کرے گا تب بھی مشرک ہوگا۔ کیونکہ جب انسانیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعین ہوگئی۔ تو پھر عبادت اور استعانت صرف خدا ہی سے ہو سکتی ہے کسی اور سے نہیں کسی اور سے ہوگی تو پھر موحد نہیں ہوگا، غلام اور مشرک ہوگا۔

عبادت انتہائی عاجزی کا نام ہے

امام بیضاویؒ اور تمام مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عبادت حقیقت میں کہتے ہیں انتہائی درجے کی عاجزی کو۔ "اَقْصٰی غَایَۃِ التَّعْظِیْمِ" انتہائی درجے کی تعظیم جو اس اعتقاد سے اٹھنے والی ہو کہ پہلے عبودیت کی نسبت کو درست کیا گیا ہو، انتہائی درجے کی عاجزی اور تعظیم۔ (عبادت ہے)

عبادت یا تعظیم کی قسمیں

تعظیم بدن سے بھی ہوتی ہے۔ اور زبان سے بھی اور مال سے بھی۔

بدنی عبادت:۔ "اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰۃُ وَالطَّیِّبَاتُ" کا کیا معنیٰ ہے انسان تشہد میں بیٹھ کر اقرار کرتا ہے۔ کہ تمام بدنی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں۔ مثلاً دست بدستہ کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا، سجدہ کرنا، حتّٰی کہ ملنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انحنا کو بھی ناجائز فرمایا مصافحہ اور معانقہ کر سکتا ہے اَیَنْحَنِیْ کیا جھک سکتا ہے؟۔ فرمایا نہیں۔ انحنا بھی جائز نہیں ہے۔ یہ رکوع اور سجود خدا تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے۔ "لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَہُنَّ" سورج چاند اور کسی مخلوق کے سامنے سجدہ نہ کرو۔ سجدہ اس ذات کے سامنے کرو جس نے سب کو پیدا کیا۔ جو خالق ہے۔ یہ بدنی عبادت ہوگی۔

قولی عبادت

نماز میں اللہ اکبر سے لے کر اسلام علیکم ورحمۃ اللہ تک جتنے بھی تعظیم کے الفاظ ہیں، وہ یا تو مناجات ہے۔ یا کلام الٰہی ہوتا ہے۔ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم"۔ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی"۔ "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ" یہ جب قولی عبادت ہے تلاوت کلام بھی قولی عبادت ہے۔

Marfat.com

مالی عبادت

ایسی ذات جو خالق، واجب الوجود، مختار، نافع، ضار ہے۔ اس کا تصور رکھ کر تعظیم کے طور پہ اُس کے نام پر جو چیز دی جائیگی وہ مالی عبادت ہو گی۔ زکوٰۃ، صدقات وغیرہ مالی عبادت ہے۔ اگر یہی چیز غیر کے نام پہ اُس کا قرب اور رضا حاصل کرنے کے لیے دی جائے تو نذر لغیر اللہ ہو گی۔ اور "مَا اُحِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ" کے تحت حرام ہو جائے گی آدمی مشرک بن جائے گا۔ یہی تو بات ہے۔ مال کے ذریعے بھی عبادت ہوتی ہے۔ مگر عقیدہ یہ رکھنا چاہیئے کہ مالی عبادت بھی اس کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔

طلب رزقِ حلال عبادت ہے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، تلاوت قرآن پاک عبادت ہے۔ ہر حال میں اللہ کا ذکر اور رزقِ حلال تلاش کرنا بھی عبادت ہے بلکہ فرائض میں داخل ہے "طَلَبُ الرِّزْقِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرَائِضِ"۔ حلال رزق نصیب ہو، تاکہ اس سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور لواحقین کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ یہ بھی عبادت ہے اللہ نے فرمایا کہ حقوق جتنے بھی ہیں، جیسے پڑوسی کا حق بھی ادا کرو، مسافر کا حق ہے۔ "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ" یہ سب عبادت ہے۔

رضائے الٰہی کے لیے کیا جانے والا ہر کام عبادت ہے

اسی طریقے سے امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اتباع سنت، یہ سب عبادتیں ہیں، تو عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کو کہا جاتا ہے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔ بندگی کا معنی انتہائی درجے کی تعظیم ہے۔ اس کا مستحق اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ تو اس اعتقاد کے ساتھ کہ تمام امور میں تصرف کرنے والا، زندہ کرنے والا، مارنے والا، روزی دینے والا، شفا دینے والا، نافع اور ضار اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اُس کے سامنے اُس کی رضا کے لیے اور اس کے حکم کے مطابق جو کام بھی ہوں گے وہ سب عبادت کہلائیں گے۔

Marfat.com

مؤثر حقیقی ذات الٰہی ہے

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں، جب خدا کی پہچان ہوگئی اور انسان کی نسبت عبودیت بھی متعین ہوگئی کہ ہم کیا ہیں اور خدا تعالیٰ کیا ہے۔ اُس کی صفات کیسی ہیں تو پھر عبادت اور استعانت کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ صرف اسی کی ہو سکتی ہے۔ اِسی کے اندر اکثر لوگ شرک کرتے ہیں۔ وہ عبادت کے اندر فرق نہیں کرتے۔ یہ فرق انسان کی نیّت اور ارادے سے ہوتا ہے۔ اگر انسان کسی بھی چیز کے اندر مستقل طور پر تاثیر مانے گا کہ یہ اس کا ذاتی اثر ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کو الگ کر دے تو مشرک بن گیا۔ حقیقی اثر کسی کے اندر نہیں۔ مؤثر حقیقی، مدبّر حقیقی صرف خدا کی ذات ہے۔

شفا من جانب اللہ ہے

علاج کرنا سنت ہے۔ مگر دوائی اور ڈاکٹر کو مؤثر خیال نہ کرے۔ کہ یہ شفا دیتی ہے نہیں بلکہ اللہ کا حکم ہوتا ہے تو شفا ملتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ دوائی کے اندر اثر ڈال دے تو شفا ہو جاتی ہے، ورنہ نہیں۔ جہاں اُس کی مشیت اور ارادہ نہیں وہاں ڈاکٹروں کی پوری کوشش کے باوجود کچھ نہیں ہوتا۔ یہ جو گارنٹی سے علاج کرتے ہیں یہ تو مشرکوں کا عقیدہ ہے۔ کون گارنٹی دیتا ہے۔ گارنٹی تو خدا کے پاس ہے۔ کہتے ہیں، یہ دوا سو فیصد فائدہ دیتی ہے۔ نہیں بھائی! اللہ تعالیٰ اس کے اندر شفا ڈالے گا تو شفا ہوگی، ورنہ نہیں۔ یہ تو اسباب ہیں اسباب کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگ جائے تو مشرک ہوگیا۔

ندا لغیر اللہ

استعانت بالعموم مافوق الاسباب اور غائبانہ ہوتی ہے۔ یہاں بیٹھا ہوا ہے، تکلیف میں ہے۔ تو پکار رہا ہے یا علی مدد، یا غوثِ اعظم مدد یا پیر دستگیر مدد۔ کشتی ڈوب رہی ہے تو نعرہ مار رہا ہے "یا بہاء الحق، بیڑا دھک" وغیرہ یہ سب مشرکانہ فعل اور باتیں ہیں۔ گاڑیوں پر لکھا ہے "یا علی مدد" یہ کیا ہے۔ یہی غائبانہ مافوق الاسباب۔ بھئی! اللہ سے مانگو۔ یا اللہ

Marfat.com

مدد کرو۔ کیونکہ غائبانہ مدد کرنا اور کسی کے اختیار میں نہیں۔ انہیں تو پتہ بھی نہیں۔ کون کیا کر رہا ہے اگر خدا تعالیٰ اُن کو بتلا دے گا تو پتہ چلے گا، ورنہ نہیں، نہ حضرت بہاؤ الحق زکریاؒ نہ معین الدین چشتیؒ سے معین الدین چشتی لگا دے پار میری کشتی

یہ تمام شرک کی باتیں ہیں۔ اور روزمرہ پیش آتی ہیں۔ دیکھیں بسوں میں لکھا ہوتا ہے۔ یا پیر دستگیر یا غوث اعظم مدد۔ یا علی مدد۔ یہ سب غائبانہ مافوق الاسباب استعانت ہے۔

وظیفہ شیئاً للہ

ظاہری اسباب کے تحت جو مدد ہوتی ہے وہ استعانت مراد نہیں ہوتی ایک آدمی بیمار ہو گیا، دوسرے سے کہا بھئی! میری خدمت کر یا مجھے یہ چیز لا دے۔ یہ آپس میں تعاون ہے۔ یہ مدد نہیں ہے۔ یہ تو ظاہری اسباب کی بنا پر ہے۔ اگر اسباب کو بھی مؤثر حقیقی سمجھے گا تو پھر بھی مشرک ہو گا۔ مافوق الاسباب، غائبانہ اکثر یہ امداد ہوتی ہے کہ پیر کو پکارتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو پکار رہا ہے "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" لوگ یہ ورد کرتے ہیں۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے کہا ہے اگر اس کا الٹ کر دے تو ٹھیک ہو جائے گا۔ یعنی "یا اللہ شیئاً للشیخ عبدالقادر جیلانیؒ" اے اللہ کوئی شے عطا کر عبدالقادر جیلانیؒ کے طفیل سے، اُن کی برکت سے۔ پھر تو ٹھیک بات ہے۔ لیکن یہ کہہ رہا ہے "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" یعنی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے مانگ رہا ہے جن کے پاس ہے ہی نہیں۔ اُن کو دینے کا اختیار نہیں۔ وہ خود عاجز ہیں۔

دینے والی ذات، ذاتِ خداوندی ہے

قرآن پاک کہتا ہے۔ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ سب اسی سے مانگتے ہیں۔ نبی اس سے مانگتے ہیں۔ جبریلؑ اس سے مانگتا ہے۔ میکائیلؑ اس سے مانگتا ہے۔ تم مانگنے والوں سے مانگ رہے ہو جن کا اختیار ہی نہیں ہے۔ اسی لیے انسان غلام اور مشرک بنتا ہے۔ توحید کا عقیدہ انسان کو آزاد بناتا ہے۔ اور شریف بناتا ہے۔

Marfat.com

مالک ایک ہی ہے باقی سارے اُسی کے غلام ہیں۔ عاجز ہیں۔ اُس سے مانگنے والے ہیں، نبی بھی اُس سے مانگتے ہیں۔ دعائیں کرتے ہیں۔ دینے والا وہ با اختیار ہے۔

اعضاءِ ظاہرہ کی عبادت

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں "عبادت در حقیقت مشغول کردن تمام اعضاء وجوارح ظاہر و باطن را در راہ او و مرضیات او" یعنی عبادت حقیقت میں یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء، ظاہر اور باطن کو اللہ کی راہ میں اور اس کی مرضیات میں مشغول رکھے۔ نیّت سے بھی، دل سے بھی، اعضاء، اور جوارح سے بھی۔ اللہ کی مرضیات اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کو مصروف رکھے۔

زبان ——— زبان کی عبادت اللہ کو یاد کرتا ہے، قرآنِ کریم کی تلاوت، تسبیح وتہلیل وغیرہ یہ زبان کی عبادت ہے۔ اس سے خدا راضی ہوگا۔ دعائیں کرنا بھی عبادت ہے۔ بلکہ عبادت کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ "اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ"

آنکھ ۔ آنکھ کی عبادت یہ ہے کہ انسان خانہ کعبہ کو دیکھے۔ قرآنِ کریم کو دیکھے۔ دینی کتابوں کو دیکھے حتیٰ کہ اولیاء اللہ اور صالحین کو بھی دیکھنا عبادت ہے کہ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ ان کو دیکھنے سے اللہ راضی ہوگا۔ یہ بھی عبادت میں داخل ہے۔ اللہ کی مخلوق کو اس نگاہ سے دیکھنا جس سے اللہ کی حکمت اور قدرت پر دلیل بنے، یہ بھی عبادت ہے۔ اسی طرح درخت کو دیکھنا جس سے اللہ کی قدرت اور حکمت پر دلیل بن رہی ہے۔ یہ بھی عبادت ہے۔

کان :۔ کان کی عبادت قرآن کا سُننا، وعظ کا سُننا، درس کا سننا اور ہر ایسی چیز کا سُننا جس سے دِل میں اللہ کی محبت زیادہ ہو، عبادت ہے اللہ کی محبت زیادہ ہوگی تو اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا۔

ہاتھ :۔ قرآن پاک کا لکھنا، کتاب کا لکھنا، اللہ کے اسمائے پاک کا لکھنا اور نیک باتوں کا لکھنا ہاتھ کی عبادت ہوگی۔

پاؤں :۔ پاؤں کی عبادت یہ ہے۔ کہ مسجد کی طرف چلتا ہے۔ حج کے لیے جاتا ہے، نیک

Marfat.com

آدمیوں کی زیارت اور جہاد کے لیے جاتا ہے۔ کمزوروں کی مدد کے لیے پاؤں سے چل کر جاتا ہے تو یہ پاؤں کی عبادت ہے۔

اعضاء باطنہ کی عبادت

اور اسی طریقے سے فرماتے ہیں باطن کی عبادت عقل و فکر سے ہے آیات الٰہی میں غور و فکر کرنا، قرآن میں شریعت کے احکام میں غور کرنا عقل کی عبادت ہے۔ نفس کی عبادت یہ ہے۔ کہ انسان نفس کو روکے اور صبر پہ آمادہ کرے۔ اُس کی مانوس چیزوں سے صبر کرائے۔ چنانچہ صبر کے سلسلہ میں روزہ اور اعتکاف ہے۔ مصیبت آنے پر صبر کرنا، جزع فزع نہ کرنا نفس کو روک رکھنا، حرام چیزوں سے روکنا۔ گناہوں سے روکنا وغیرہ یہ نفس کی عبادت ہے۔ نفس اسی طریقے سے عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔

اسباب کو مؤثر بالذات سمجھنا شرک ہے

اسباب کے سلسلہ میں یہ ہے۔ کہ اگر کسی سبب کو مؤثر بالذات سمجھ کر استعمال کرے گا تو آدمی مشرک بنے گا۔ حضرت سفیان ثوریؒ کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ نماز پڑھتے ہوئے جب اس آیت پہ پہنچے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ کہنے لگے جب میں نے یہ تصور کیا کہ عبادت صرف اللہ ہی کی ہو سکتی ہے اور استعانت صرف اللہ ہی سے ہوتی ہے ما فوق الاسباب تو اگر مجھ سے پوچھ لیا جائے کہ تو دوا لینے کے لیے طبیب کے پاس کیوں گیا۔ اور تو اپنا وظیفہ لینے کے لیے حاکم کے پاس کیوں گیا تو میں جھوٹا ثابت ہوتا ہوں۔ پھر کیا بنے گا۔ کیا حشر ہو گا۔

استغراق فی العبادت

بعض بزرگانِ دین عبادت کے اندر اِس قدر استغراق رکھتے تھے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم جب نماز پڑھتے تھے، حدیث میں آتا ہے آپ کے سینہ مبارک سے ایسا جوش نکلتا تھا۔

Marfat.com

جیسے ہانڈی ابلتی ہے۔ یہ خدا کی محبت اور خشیت کا سلسلہ تھا حضور علیہ السلام کی یہ حالت تھی۔

امام ابو حنیفہؒ نماز پڑھ رہے تھے۔ لوگ بھی ساتھ تھے۔ چھت سے سانپ نیچے گر پڑا۔ سب لوگ بھاگ گئے۔ مگر امام صاحبؒ کو پتہ بھی نہیں چلا کہ کیا ہوا۔ اُن کی عبادت میں اس قدر انہماک تھا۔

عروۃؒ بن زبیرؓ، حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے کے جسم کے ایک حصّے میں سخت قسم کا پھوڑا ہو گیا تھا لوگ اس کو کاٹنا چاہتے تھے۔ مگر وہ اجازت نہیں دیتے تھے۔ کہنے لگے جب میں نماز میں مشغول ہو جاؤں تو پھر اپنا کام کر لینا۔ وہ نماز میں مشغول ہوئے تو لوگوں نے اُن کا پھوڑا کاٹ دیا اُن کو پتا بھی نہیں چلا کہ کیا ہوا۔ نماز میں اس قدر استغراق اور انہماک تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر حضوری تھی کہ ایک عضو کٹ گیا مگر پتہ ہی نہیں چلا۔

مختارِ کل اللہ ہی ہے

یہ نسبت کمال درجے کی چیز ہے۔ جب اس کی تصحیح ہو گئی تو پھر انسان اللہ تعالیٰ سے جو چیز جس درجے کے توکل کے ساتھ مانگتا ہے بیا اوقات اُسی درجے کے مطابق چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ بعض اوقات وہ مقرب سے مقرب آدمیوں کی بات بھی نہیں مانتا، اُس کا اختیار ہے۔ نبیوں سے زیادہ کوئی مقرب گروہ نہیں۔ لیکن مصائب اُن پر بھی بے حد آتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ مصائب کے اہل ہوتے ہیں۔ بلکہ حقیقت میں یہ ابتلا اور آزمائش ہوتی ہے۔ خدا اُن کے درجے بلند کرنا چاہتا ہے اور بتلانا چاہتا ہے۔ کہ میں مالک ہوں جس طرح چاہوں کروں۔

عبودیت کے اثرات

بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں۔ شیبان راعیؒ چرواہے تھے۔ بڑے نیک اور صالح تھے جنگل میں بکریاں چراتے تھے۔ یہ وہ آدمی تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ بھی اُن کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھتے تھے۔ انہیں احتلام کی حالت ہو گئی۔ پانی نہیں تھا۔ دعا کرتے ہیں۔ مولا! میں تو جنابت کی حالت میں مبتلا ہوں، کیا کروں۔ ایک دم بارش برس گئی، پانی آ گیا اور آپ نے غسل کر لیا۔ جمعہ کا دن آتا تھا۔ دعا کر دیتے، مولا! میں نے جمعہ پڑھنا ہے۔ بکریوں کے گرد ایک لکیر کھینچ کر چلے جاتے جب

Marfat.com

جمعہ پڑھ کر آتے تو بکریاں اسی دائرے کے اندر ہوتی تھیں۔ باہر کوئی نہیں نکلتی تھی۔ یہ سب عبودیت کے اثرات ہیں۔ کہ بعض کے ساتھ اللہ کا تعلق ایسا ہوتا ہے۔ کہ جو چیز مانگتے ہیں، خدا نہیں دیتا ہے۔ جو آدمی یہ سمجھے کہ خدا کے سوا بھی کوئی دینے والا ہے۔ یا اس کا کوئی اختیار ہے۔ یا اپنی کوئی حاجت ادھر اُدھر پیش کرے۔ تو سمجھ لو کہ یہ آدمی مشرک ہے۔ مُوحد نہیں ہے۔

حاصل کلام

تو پہلے عبودیت کی نسبت کو دریافت کرنا ضروری ہے۔ کہ انسانیت کی نسبت خدا کے ساتھ کیسی ہے۔ ہم تو مملوک، عاجز، اور محتاج ہیں ہر حالت میں ہماری احتیاج ہے۔ پیدا ہوئے، پہلے ہم کچھ نہیں تھے قَدْ خَلَقْتُكَ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا۔ احسان کر کے پیدا کیا۔ وجود بخشا۔ اور پھر منافع وجود کے فائدے کے لیے جتنی بھی چیزوں کی ضرورت ہے وہ بھی اللہ نے بخشی ہیں۔ اور پھر مستقبل میں چل کر مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ آگے کا مالک بھی وہی۔ حال کا مالک بھی وہی۔ ماضی میں بھی ہم کچھ نہیں تھے۔ اللہ نے مہربانی کر کے نکالا۔ ہم تو ہر حال میں محتاج اور مغلوب ہیں۔ اس واسطے ہمارا فرض ہے۔ کہ اُسی کی عبادت کریں، اور اُسی کو مؤثر بالذّات سمجھ کر اسی سے مدد مانگیں۔ عبادت میں بھی اور اپنے تمام معاملات میں بھی۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؏

Marfat.com

درس ۹

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ـــــــ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ٥

گذشتہ سے پیوستہ

کل "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کے بارے میں عرض کیا تھا۔ عبادت اور استعانت کا معنیٰ بیان ہوا۔ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اسی لیے مفعول کی ضمیر کو مقدم لایا گیا۔ مفسرین کرام "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کا معنیٰ بیان فرماتے ہیں "نَخُصُّکَ بِالْعِبَادَۃِ" ہم تجھے مخصوص کرتے ہیں عبادت کے ساتھ۔ صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں کیونکہ مستحق عبادت صرف تو ہی ہے۔ اور اسی طرح مافوق الاسباب استعانت بھی تیری ذات کے ساتھ ہی خاص ہے تیرے سوا ہم کسی سے امداد اور استعانت نہیں کرتے۔ کوئی اور ایسا نہیں کر سکتا۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وہ اعانت کر سکے یہ ظاہری استعانت مراد نہیں ہے۔ بلکہ جہاں ظاہری اسباب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے وہاں صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی امداد کر سکتی ہے۔ ظاہری استعانت تو انسان بھی ایک دوسرے کی کرتے ہیں۔ یہ مراد نہیں ہے۔ یہاں مافوق الاسباب استعانت مراد ہے۔ یہ خدا کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اور کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

توکل علی اللہ

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ صحابہؓ کے زمانے میں ایک دیہاتی آیا۔ اس نے اپنی اونٹنی مسجد کے باہر چھوڑ دی اور خود مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے نہایت سکون کے ساتھ نماز ادا کی، بہت کمال درجے کی۔ دیکھنے والے تعجب کر رہے تھے۔ کہ اس نے ایسے سکون کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز ادا کرنے کے بعد جب وہ باہر نکلا تو اونٹنی نہیں تھی۔ کہنے لگا۔ الٰہی! میں نے اپنی شرط تو پوری کر دی، اب تیری شرط کہاں ہے یعنی تیری عبادت کرنا میری شرط

Marfat.com

تھی وہ ہیں تے پوری کردی اور اعانت کرنا تیری شرط ہے، وہ تو پوری فرما۔ اُس شخص نے یہ دُعا کی ہی تھی۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی اُس کی اونٹنی کو پکڑ کر لا رہا ہے۔ اس کا ہاتھ بھی کٹا ہوا ہے۔ اونٹنی لاکر اس کے سپرد کردی۔ صحابہؓ نے یہ واقعہ مشاہدہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی شرط فوراً پوری کردی، کوئی دیر نہیں لگی۔

صراط مستقیم

عبادت اور استعانت کے بعد اب یہ دُعا کا جزو ہے۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ۔ یہ دو جملے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر پہلے کلام سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے۔ کہ بندے اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کس قسم کی استعانت چاہتے ہو۔ تو بندے عرض کرتے ہیں۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ یعنی اُس چیز کی درخواست کرتے ہیں۔ جو سب سے زیادہ اہم ہے کہ اے پروردگار ہدایت کر ہم کو، دکھا ہم کو سیدھا راستہ۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ صراط مستقیم سے مراد اسلام اور توحید کا راستہ ہے۔ جس میں اسلام، ایمان اور احسان یہ ساری چیزیں داخل ہیں۔ جیسا کہ جبرئیلؑ والی حدیث میں اسلام کا خلاصہ ان چیزوں کو ظاہر کیا ہے یعنی اسلام، ایمان اور احسان۔

دینِ حق صرف اسلام ہے

تو اس توحید اور اسلام والے راستہ کی تشریح قرآن کریم میں موجود ہے۔ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ۔ اللہ کے نزدیک سچا اور برحق دین صرف اسلام ہے جس کی دعوت سارے نبی لے کر آئے اور جس کی دعوت سب سے آخر میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ جس دین کی دعوت قرآن کریم نے دی ہے وہ صرف اسلام ہے۔ اسی طریقے سے مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ۔ اسلام کے علاوہ جو کوئی کسی اور دین میں اپنی نجات تلاش کرے گا وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور وہ شخص

آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔

اسلام دینِ فطرت ہے

فطرت کے مقتضیات کے مطابق چلنا دینِ اسلام ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ یہ فطرت اور اس کے مقتضیات کے مطابق ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ انسانیت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ انسان فرائض بھی ادا کرے۔ اوامر اور نواہی کی بھی پابندی کرے جس دین میں یہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں وہ دینِ اسلام ہے۔

فلسفہ دعائے صراطِ مستقیم

یہاں ایک سوال پیدا ہوا ہے۔ یہ سوال عیسائی اور آریہ سماجی بھی کرتے ہیں اور ایسے اعتراض دہریے لوگ بھی کرتے ہیں۔ کہ آدمی ساری عمر نماز پڑھتا ہے تو یہی کہتا ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ ساٹھ سال، سو سال نماز پڑھتا رہتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے۔ اس کو ابھی تک سیدھی راہ معلوم نہیں ہوئی کیونکہ یہ صراطِ مستقیم کا مطالبہ کر رہا ہے۔ دیانند سرسوتی نے بھی یہی اعتراض مولانا نانوتویؒ کے سامنے کیا تھا۔ اور یہی دوسرے دہریے لوگ بھی کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ابھی تک راستہ ہی نہیں ملا۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ بیوقوفی کا سوال ہے اور غلط سوال ہے۔ اس سوال سے بچنے کے لیے شاہ عبدالقادرؒ نے اس لفظ کا ترجمہ ہی یہ کیا ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اے اللہ ! ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ چلا ہم کو سیدھے راستے پر۔ دکھا نہیں۔ کیونکہ معلوم تو ہو گیا ہے کہ یہ راستہ ایمان اور توحید کا راستہ ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے بات ظاہر ہو چکی ہے تو اس پر چلنے کی توفیق مانگ رہا ہے۔ کہ ہمیں اس پر چلنے کی توفیق بخش۔

امام ابنِ جریر طبریؒ نے اس کا ترجمہ وَفِّقْنَا وَثَبِّتْنَا کیا ہے یعنی اس راستے کی توفیق بخش اور اس پر ثابت قدم رکھ یعنی وہی راستہ جو توحید اور ایمان والا راستہ ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے لیے راستے کا طلب کرنا ہر وقت ضروری ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ مومن جس مرتبہ تک پہنچتا ہے وہ سفلانی مرتبہ ہوتا ہے۔ اس سے فوقانی مرتبے

Marfat.com

کی درخواست کرتاہے۔ اے اللہ! اس سے اُوپر ترقی عطا فرما۔ تو مومن کے ہر وقت راستہ طلب کرنے کا یہی مطلب ہوتاہے۔ کہ اس سے اونچا مرتبہ عطا فرما اور یہ مراتب ایسے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ اس لیے ہر مومن کے لیے یہ طلب کرنا بھی ضروری ہے۔

امام بیضاویؒ نے اس طرح تفسیر کی ہے۔ کہ اے اللہ! ہماری راہنمائی فرما سیدھے راستے کی طرف اور وہ اس طرح کہ سب سے پہلے قوتوں کا فیضان فرما جن کے ذریعے انسان ہدایت پاتاہے تو سب سے پہلے عقل عطا فرما۔ حواس ظاہرہ اور باطنہ صحیح عطا فرما کیونکہ حواس ظاہرہ باطنہ اور عقل کے ذریعے ہی انسان راہ پاتاہے۔ یہ چیزیں ابتداء میں ضروری ہیں۔ پھر دوسرا نمبر یہ آتاہے۔ کہ ہماری راہنمائی اس طرح فرما کہ ہمارے لیے حق اور باطل کے درمیان اور فلاح اور فساد کے درمیان ایسے دلائل قائم کردے کہ ہم ان میں امتیاز پیدا کرسکیں۔ یہ دلائل ہم کو دکھادے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے "هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" ہم نے خیر و شر دونوں گھاٹیاں انسان کو تبلادیں۔ اس سے مُراد یہی ہے۔ کہ انسان کو فلاح و فساد کا طریقہ معلوم ہوجائے۔

تیسری بات یہ ہے۔ کہ ہماری راہنمائی اس طرح فرما کہ رسول بھیج جس کے ذریعے ہم ہدایت پائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا" ہم نے رسولوں کو امام اور پیشوا بناکر بھیجا تاکہ وہ ہمارے حکم کے مطابق انسانوں کی راہنمائی کرسکیں۔ نیز یہ کہ اے پروردگار! کتابیں نازل فرما جن کو پڑھ کر ہم صراطِ مستقیم کو معلوم کرسکیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کتابوں کے بارے میں بھی فرما دیا۔ خاص طور پر قرآن کے بارے میں موجود ہے۔ "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ" بیشک یہ قرآن راہنمائی کرتاہے۔ اس طریقے کے لیے جو سب سے زیادہ ٹھیک اور درست ہے۔

اے پروردگار ہمارے دلوں میں اسرار و معارف کو کھول دے اور ہمارے دلوں میں ایسی کیفیت پیدا کردے کہ ہم چیزوں کو ٹھیک طور پر سمجھ سکیں۔ جیسا کہ دعا کے اندر آتاہے "اَرِنَا الْاَشْيَآءَ كَمَا هِيَ" اے اللہ! ہم کو چیزیں اس طرح دکھا کہ جس طرح وہ واقعہ کے اندر ہیں۔ کیونکہ ادراک اور دیکھنے میں انسان بڑی غلطیاں کرتاہے۔ جو انسان درست چیز کو دیکھ لے گا وہی کامیاب ہوگا۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ چیزیں وحی اور الہام کے ذریعے حاصل ہوں گی بعض اوقات سچے خواب کے ذریعے بھی انسان کی راہنمائی ہوتی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو سچا خواب مومن

کو دکھایا جاتا ہے وہ اس کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔

ہدایت کا معنیٰ نرمی کے ساتھ راہنمائی کرنا ہے۔ ہدایت دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے کبھی ہدایت کا معنیٰ راہ دکھانا (اراۃ الطریق) اور کبھی منزل مقصود تک پہنچانا ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ یہاں "اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ" سے مراد یہ ہی ہے۔ کہ اے پروردگار! ہم کو منزل مقصود تک پہنچا یہ دونوں معنی ہدایت کے لیے آتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "اھدنا الصراط المستقیم" سے مراد استقامت ہے۔ اور استقامت بھی کئی طریق پر ہوتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلی چیز یہ ہے۔ کہ راستہ قریب ہو۔ اگر راستہ بعید ہوگا تو بڑی دشواری ہوگی اس لیے حدیث میں جو دعائیں آتی ہیں، ان میں ہے کہ اے پروردگار ہمارے لیے قریب کا راستہ کھول۔ کہ ہم جلدی سے منزل تک پہنچ سکیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ راستے کا صاف ہونا بھی ضروری ہے۔ عام دنیا کے راستے پر بھی اگر پتھر پڑے ہوں، کانٹے ہوں یا گارا ہو تو وہ کامیاب راستہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہدایت کا راستہ بھی صاف ہونا چاہیئے۔ لہٰذا استقامت کے اندر یہ چیز بھی آتی ہے۔

شیخ سعدیؒ فارسی میں کہتے ہیں "راہ راست برو گرچہ دورست"، یعنی ٹھیک راستے پر چلو اگرچہ وہ دور ہی کیوں نہ ہو۔ استقامت میں یہ بھی آتا ہے راستے کا پرامن ہونا بھی ضروری ہے۔ دنیا کے جس راستے پر چور، ڈاکو، راہزن، درندے وغیرہ ہوں، راستہ میں خطرہ ہو تو انسان کامیاب نہیں ہوسکتا اسی طرح روحانی راستے میں بھی اگر رکاوٹیں ہوں گی، گمراہی ہوگی، راستے کی کجی ہوگی تو انسان کامیاب نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ صحیح راستہ وہ ہے۔ جس پر چلنے والے کی ساری ضروریات پوری ہوں۔ راستے میں آب و دانہ بھی نصیب ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جانور بھوکے مرجائیں۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ راستہ پرامن ہو اور ضروریات بھی پوری ہوں۔

استقامت قول سے بھی ہوتی ہے جیسے "قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا" ٹھیک بات کرو۔ یہ استقامت قولی ہوگی۔ استقامت عمل سے بھی ہوتی ہے اور اخلاق اور عقائد سے بھی۔ ہر ایک میں استقامت مراد ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے انسان میں جتنی قوتیں رکھی ہیں ان کی تکمیل اس وقت

Marfat.com

نہیں ہو سکتی جب تک انسان کو اچھی سوسائٹی نصیب نہ ہو۔

ہدایت کے لیے نمونہ کی ضرورت

انسان کی قوتیں اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتیں جب تک اُس کے سامنے نمونہ موجود نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا صِرَاطَ الَّذِینَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ یعنی وہ نمونہ بھی بتا دیا جسے دیکھ کر قوتیں کامل ہوں گی اور تم صحیح منزلِ مقصود تک پہنچو گے۔

مفسّرین کرام میں سے ابوالعالیہؒ کہتے ہیں۔ کہ منعم علیہم سے یہاں مراد حضور نبی کریم علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ اور آپ کے دو خلیفے جن کے بارے میں آپ نے خصوصی طور پر فرمایا اِقۡتَدُوۡا بِالَّذِیۡنَ مِنۡ بَعۡدِیۡ اَبِیۡ بَکۡرٍ وَّعُمَرَ۔ یعنی اے لوگو! میرے بعد ان دو آدمیوں کی خاص طور پر اقتدا کرنا ابوبکرؓ و عمرؓ کی۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ انعام تو ہر قسم کے ہوتے ہیں لیکن جس انعام کی طلب کی گئی ہے وہ دینی انعام ہے۔ دین کی نعمت سب سے بلند اور فوقیت رکھتی ہے۔ نعمتیں تو بے شمار ہیں، دنیوی بھی ہیں۔ کئی نعمتیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان نعمتوں کا فیضان ہوتا ہے۔ اور کچھ نعمتیں انسان کسب سے بھی کماتا ہے۔ دُنیوی نعمتیں بھی ہیں اور اخروی بھی ہیں اور روحانی بھی ہیں جسم کے اندر روح کا ڈالنا۔ پھر عقل کا دینا۔ پھر فہم، فکر اور گفتگو وغیرہ عطا فرمانا سب نعمتیں ہیں۔ جسمانی نعمتوں میں بدن اور صحت ہیں اور جو نعمتیں انسان دینی طور پر کسب سے کماتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو رذائل سے پاک کر دے۔ اور اچھی خصلتوں سے اپنے نفس کو مزین کرے یہ گویا کسبی نعمتیں ہیں۔ جو انسان حاصل کر سکتا ہے۔ انسان کے نفس میں اخلاقِ حسنہ آجائیں اور رذیل اخلاق نکل جائیں۔ مال وجاہ بھی ہے اور اس کے علاوہ خدا کی مغفرت اور رضا جیسی بلند نعمتیں ہیں۔ جو کسی کو نصیب ہوں۔ علیین میں پہنچ جانا۔ حظیرۃ القدس کا ممبر بن جانا یہ سب سے زیادہ کامیابی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں جو آدمی حظیرۃ القدس کا ممبر بن گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اس کے نیچے کامیابی نہیں ہے۔

منعم علیہم کے چار درجات

یہ جو دعا کی گئی ہے۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ۔ یعنی اے اللہ ہماری صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرما۔ صراط مستقیم ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعامات فرمائے۔ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منعم علیہم کے چار درجے ہیں، جن پر خدا تعالےٰ کے انعام آتے ہیں۔ وہ چار مراتب ہیں۔ یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالحین ہیں

اجتماعی دعا کا فائدہ

اِس دعا اِھۡدِنَا میں نا جمع کا صیغہ ہے۔ اور "ایاک نعبد وایاک نستعین" میں بھی جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ جب آدمی جمع کے صیغے سے دعا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بذاتہ — انسان اپنے آپ کو انفرادی طور پر ناقص سمجھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ الٰہی! میں تو ناقص ہوں، کئی کامل لوگ بھی ہوں گے اُن کے ساتھ مجھے بھی شریک فرمالے۔ دوسرے نمازیوں کے ساتھ میری بھی دُعا قبول فرمالے۔ جیسا "بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم" یعنی نیک لوگوں کے ساتھ بدوں کو بھی شریک کر کے اللہ تعالےٰ معاف فرما دیتا ہے۔ ہم چاہے خطاکار ہوں لیکن ہمیں ان لوگوں کے ساتھ شریک فرمالے جو تیرے نزدیک ہدایت کے مستحق ہیں۔

دعا کا خلاصہ

اب مطلب یہ ہوا کہ اُن لوگوں کا سیدھا راستہ جن پر تو نے نعمتیں نازل فرمائیں۔ اور وہ چار مراتب کے لوگ ہیں اور اسی طرح ہدایت کے بھی چار مرتبے بن جائیں گے۔ تو اے پروردگار ہمیں ایسی سوسائٹی عطا فرما جس کے ارکان ان چار مراتب والے لوگ ہوں۔ جنہوں نے قرآن کا اتباع کیا۔ قانون کی پابندی کی۔ اور دنیا میں کامیاب اور کامران زندگی بسر کی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی علیہ السلام کا زمانہ، شیخینؓ کا زمانہ اور حضرت عثمانؓ کے چھ سال تک جتنا زمانہ ہے۔ وہ آئندہ

Marfat.com

کے لیے نمونہ ہے۔ اس کے بعد جب تنازعہ شروع ہو گیا۔ تو جو لوگ ان کے نمونہ میں شریک ہیں وہ منعم علیہم ہیں کیونکہ اس زمانہ تک سب مسلمان متفق رہے ہیں لہذا یہی زمانہ نمونہ ہے۔ جو اس کے مطابق ہوگا، وہ فلاح پائے گا۔

منعم علیہم کون ہیں

سورۃ نسار آیت ۶۹ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ جس نے اللہ اور رسول کی تابعداری کی یہ اُن لوگوں کے ساتھ شریک ہوگا کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ وہ نبی ہیں۔ صدیق ہیں۔ شہید ہیں اور صالحین ہیں۔ اور اُن کی رفاقت کتنی اچھی رفاقت ہے۔ جن کو نصیب ہو۔ یہ چاروں منعم علیہم ہیں جن کا راستہ ہم طلب کرتے ہیں۔

انبیار ۔

پہلا نمبر نبیوں کا ہے۔ نبی انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کے لیے شریعت دے کر مبعوث فرماتا ہے۔ یہ انسان تو ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اُس میں یہ کمال رکھ دیتا ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ اور نمونہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کے اندر قوت علمیہ اور قوت عملیہ کمال درجے کی ہوتی ہے۔

صدیقین :۔

دوسرا نمبر صدیق ہے۔ صدیق اُس کو کہتے ہیں جس کی علمی قوت نبی کے بالکل قریب ہوتی ہے۔ گویا اُس کا قلب ایک آئینہ ہوتا ہے۔ جس پر نبی کے علم کا عکس پڑتا ہے۔ اس کے اندر کمال درجے کا ادراک ہوتا ہے۔ ادراک، سمجھ اور علم میں نبیوں کے قریب ہوتا ہے

شہدار :۔

شہید وہ لوگ ہوتے ہیں، جو حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حق کی گواہی دیتے ہیں۔ اور ان میں قوت عملیہ کمال درجے کی ہوتی ہے۔ یعنی ایسی قوت جیسی انبیار علیہم السلام کی۔ حتیٰ کہ وہ اپنی جان

Marfat.com

بھی خدا کے راستے میں برضا و رغبت فدا کر دیتے ہیں۔ تو گویا اُن کی قوت عملیہ نبیوں کے قریب قریب ہوتی ہے۔

صالحین :-

چوتھا گروہ صالحین کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوت علمی اور قوت عملی اس درجے کی نہیں ہوتی مگر چونکہ ان میں اتباع کامل درجے کا ہوتا ہے۔ وہ اس اتباع کی وجہ سے اپنے ظاہر کو گناہ سے دور رکھتے ہیں۔ اور باطن کو فاسد اعتقادات اور اخلاق ذمیمہ سے بچاتے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ اللہ کی یاد کثرت سے کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو ولی بھی کہا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ صالحین ہی ہوتے ہیں گو اُن کی قوت علمی اور قوت عملی شہداء صدیقین اور انبیاء کے درجے کی نہیں ہوتی۔ مگر اُن کا اتباع کامل درجے کا ہوتا ہے۔

صالحین کے ساتھ خالی نسبت مفید نہیں

ایک بات اور بھی سن لیں کہ بہت سے لوگ اپنے آپ کو صالحین کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم اِن لوگوں کے پیروکار اور متبع ہیں۔ خالی منسوب کر لینے سے بات نہیں بنتی۔ جب تک انسان کی فکر اور عقیدہ صحیح نہ ہو اور اتباع صحیح نہ ہو۔ دیکھئے ! سب بدعتی اپنے آپ کو اولیاء اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر نہ ان لوگوں کا عقیدہ نیک لوگوں جیسا ہوتا ہے، نہ عمل اور نہ اخلاق۔ مثلاً شیعہ حضرات اپنی نسبت اہل بیت کی طرف کرتے ہیں۔ مگر ائمہ اہل بیت علیہم الرحمۃ کے ساتھ نہ اُن کا عقیدہ ملتا ہے نہ عمل۔ کوئی چیز نہیں ملتی۔ تو اس صورت میں خالی نسبت ان کو کیا فائدہ دے گی۔

موجودہ زمانے کے کئی رسومی لوگ اپنے آپ کو چشتی، قادری، سہروردی یا نقشبندی کہتے ہیں حالانکہ اِن بزرگوں کے ساتھ ان کی ادنیٰ نسبت بھی نہیں ہے۔ یہ سب بدعات اور شرک کے پلندے ہیں۔ اور سب رسمی باتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا عرس کر دینا کوئی قادری طریقہ ہے یا نقشبندی ہے۔ وہ تو اللہ کا ذکر کرنے والے اور استقامت کے راستہ پر چلنے والے تھے حضرت بہاؤ الدین نقشبندیؒ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ معین الدین چشتیؒ یہ سب

Marfat.com

مشائخ کامل درجے کے متبع سنت، بدعات سے متنفر اور موحد تھے۔ یہ ___ اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ میں چشتی ہوں۔ گانے بجانے کو چشتی سمجھتے ہیں۔ راگ سرود کو چشتی اور قادری بنا لیا۔ العیاذ باللہ ایسی نسبت فائدہ نہیں دیگی۔ جو کامل الایمان لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں انتہائی درجے کا اتباع پایا جاتا ہے۔

عالمگیرؒ نے بادشاہی میں فقیری کی

حضرت خواجہ ابراہیم ادہمؒ بادشاہ تھے۔ انہوں نے بادشاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی۔ اور عالمگیرؒ نے بادشاہی کی۔ یہ بادشاہ ہوتے ہوئے فقیر تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر بڑا عالم فاضل آدمی تھا۔ لیکن بالکل فقیر تھا۔ کابل سے برماتک ساری حکومت اُس کے زیرنگیں تھی مگر اس کے بعد اس کے جانشین سب نالائق نکلے۔ کوئی ایسا قابل نہیں تھا۔ جو اس ملک کو سنبھال سکے۔ یہ اس درجے کا درویش تھا کہ سرکاری خزانے سے کبھی خوراک بھی حاصل نہیں کی۔ قرآن مجید لکھ کر فروخت کرتا تھا۔ اور اس سے غذا کھاتا تھا۔ کوئی بتلائے کہ اتنا درویش آدمی بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ اُس کے لکھے ہوئے قرآن مجید آج بھی جہاں کہیں پائے جاتے ہیں نہایت خوش خط ہیں۔

تو ابراہیم ادہمؒ پیدل جا رہے تھے۔ ایک بڑی زبردست اونٹنی والا اعرابی اونٹنی پر سوار آیا۔ یہ بیچارے پیدل تھے۔ اُس نے پوچھا شیخ صاحب کدھر جا رہے ہیں کہا بیت اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔ اعرابی نے کہا کہ اتنا لمبا سفر ہے اور آپ کے پاس سواری بھی نہیں ہے خالی ہاتھ جا رہے ہو۔ توشہ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ ابراہیم ادہمؒ نے کہا کہ بھائی! میرے پاس تو بہت سی سواریاں ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتیں۔ جب مجھ پر کوئی مصیبت آتی ہے تو صبر کی سواری پہ سوار ہوتا ہوں جب کوئی نعمت آتی ہے تو شکر کی سواری پہ سوار ہوتا ہوں۔ اور جس وقت خدا کا فیصلہ آتا ہے، قضاء نازل ہوتی ہے، تو میں رضا کی سواری پہ سوار ہو جاتا ہوں۔ اور جب نفس کسی بات کی طرف امادہ کرتا ہے تو میں یقین سے جان لیتا ہوں اور نفس کو کہتا ہوں کہ زندگی کے زیادہ دِن گذر گئے ہیں اور تھوڑے باقی ہیں تو مجھے کس راستے پر ڈالنا چاہتا ہے۔

جب اعرابی نے یہ بات سنی تو کہنے لگا پھر باذنِ اللہِ فَاَنْتَ الرَّاکِبُ وَاَنَا الرَّاجِلُ چلیئے صاحب آپ سفر کریں۔ خدا کے حکم سے آپ سوار ہیں اور میں پیدل ہوں۔ یہ ان لوگوں کا

Marfat.com

حال تھا جو صراط مستقیم پر چلنے والے تھے۔ اور منعم علیہم ہیں۔ امام رازیؒ نے منعم لوگوں کی یہ مثال بیان کی ہے

حاصل کلام

تو اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے پروردگار! ہمیں اُس سیدھے راستے پر چلا اور وہ راستہ دکھا جس میں استقامت ہو۔ جس کی تشریح میں نے عرض کی۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعامات نازل فرمائے۔ ان لوگوں کا نمونہ بھی ہمارے سامنے ہو تاکہ اس کو دیکھ کر ہم اپنی قوتوں کی تکمیل کریں۔ ہمیں ایسی سوسائٹی نصیب فرما جس میں رہ کر ہم درجۂ کمال تک پہنچ سکیں۔

Marfat.com

درس ۱۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ — وَلَا الضَّآلِّیْنَ

گذشتہ سے پیوستہ

کل دعا کا ”اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ“ والا حصہ بیان ہوا تھا۔ جو مکلف انسان سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما۔ ہدایت کی تشریح کی گئی۔ استعانت کا معنیٰ عرض کیا گیا۔ اس کے ساتھ نمونہ کا ذکر تھا۔ ”صراط الذین انعمت علیہم“ یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعامات فرمائے۔ اے اللہ! ہمیں منعم علیہم کا راستہ بتلا دے۔ وہ نمونہ بھی ہمارے سامنے ہو، جس پر چل کر تیری رضا اور قرب حاصل کر سکیں۔ اور ہمیں فلاح و نجات نصیب ہو سکے، اور ہم درجہ کمال تک پہنچ سکیں منعم علیہم کا ذکر خود قرآن کریم نے کیا۔ کہ وہ نبی، صدیق، شہید اور صالحین ہیں۔ جن کو ان کی رفاقت نصیب ہو گئی وہ کامیاب ہو گیا۔

دُعا کا آخری حصہ

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے بعد دُعا کا آخری حصہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ ہے۔ یعنی اے پروردگار! ہمیں ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غصہ ہوا، غضب ہوا، جن پر تو ناراض ہوا۔ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اور نہ گمراہوں کا راستہ۔ تو گویا ان دو گروہوں سے بچنے کی درخواست کی گئی۔ کہ ہمیں ان کے راستے پر نہ ڈالنا۔ ہمیں ان کے راستے سے بچانا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

مقبول اور مردود گروہ

مفسّرین کرام فرماتے ہیں کہ جس گروہ کا نمونے کے طور پہ ذکر ہوا اور جس پہ انعام ہوا، وہ ایک

Marfat.com

ہی گروہ ہے۔ اور جن سے بچنے کی دعا کی گئی ہے وہ دو گروہ ہیں یعنی مغضوب اور ضال۔

مقبول گروہ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابتدائی الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ان کے اندر اللہ تعالیٰ کی پہچان ہوتی ہے وہ نیکی کو بھی پہچانتے ہیں تاکہ اس کے مطابق عمل کر سکیں۔ تو مقبول گروہ کے تمام ارکان یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالحین میں یہ بات مشترک ہوتی ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانتے ہیں کہ یہ مقدم ہے اور نیکی کو پہچانتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا ہے۔

مردود گروہوں کے یا تو عمل میں خلل ہوگا یا علم میں۔ اگر عمل میں خلل ہے تو فاسق ہے اور مغضوب ہے۔ اور اگر علم میں خرابی ہے، تو وہ ضال ہے۔ البتہ دونوں ہی مردود ہیں۔ اور محروم ہیں۔ تو مکلف انسان اگر اطاعت کرنے والوں میں ہے، تو منعم علیہ ہے۔ اور اگر معصیت کرنے والوں میں ہے تو مغضوب ہے۔ اور اگر اس میں جہالت ہے، علم کا فقدان ہے تو وہ ضال ہے۔

مغضوب علیہ گروہ

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں حضور علیہ السلام نے مغضوب علیہم کی مثال یہود کے ساتھ بیان فرمائی کہ یہودی عمداً حق کے خلاف چلتے ہیں اور جان بوجھ کر حق پوشی کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں صراحت سے موجود ہے "تَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ"۔ "تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ"۔ جاننے کے باوجود حق و باطل کو خلط ملط کرتے ہیں۔ تو ایسے گروہوں کے بارے میں فرمایا۔ بَاءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ یعنی یہ لوگ خدا کا غضب پر غضب لے کر لوٹے۔ کیونکہ یہ نبیوں کی تعلیم سے واقف تھے۔ صاحب علم تھے۔

مدینے کے یہودی

جب حضور علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو اس وقت مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے دس بڑے بڑے علماء تھے۔ ان میں سے ایک کے سوا کسی نے ہدایت قبول نہیں کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت اگر دس آدمی ہدایت قبول کر لیں تو زمین پر کوئی یہودی باقی نہیں رہے گا۔

Marfat.com

سارے کے سارے ہدایت پا جائیں گے ۔مگر صرف ایک آدمی عبداللہ بن سلامؓ نے ہدایت قبول کی۔ یہ لوگ حق کے خلاف چلتے تھے ۔ ان میں حسد اور سرکشی بھی ۔ مالی مفاد تھا ۔ اپنی چوہدراہٹ اور نسلی تفوق تھا ۔ کہتے تھے ۔ کہ نبی آخر الزمان عربوں میں کیوں آیا ہے ۔ بنی اسرائیل میں آنا چاہیے تھا ۔ چنانچہ یہ حسد بھی ان کو مار گیا ۔ تو بہر حال یہ دیدہ دانستہ حق پوشی کرتے تھے ۔ اور انہوں نے علم کو بھی بگاڑا ۔ تلبیس یعنی خلط ملط کرنا ، علم کو بگاڑنا ہی تو ہے ۔ پھر انہوں نے تحریف بھی کی ۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ ۔ اللہ کے کلام کو اُس کے محل اور مقام سے بگاڑ کر رکھتے تھے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ ان میں عمل اور علم دونوں کا فقدان آگیا اور وہ محرومیت کا شکار ہو گئے ۔

عدی بن حاتم طائیؓ

مسند احمد اور ترمذی شریف میں روایت موجود ہے ۔ عدیؓ اور اس کا باپ حاتم طائی عیسائی مذہب رکھتے تھے ۔ باپ تو پہلے فوت ہو گیا تھا بیٹے نے طے کے کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی بھی لڑی مگر شکست کھائی ۔ اور شام کی طرف بھاگ گیا ۔ اس کی پھوپھی پکڑی گئی اور قیدی ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش ہوئی ۔ اُس نے آپؐ سے التجا کی کہ میں بہت بوڑھی ہوں ، میرا ایلچی بھی بھاگ گیا ہے ۔ مجھے معاف فرما دیجئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے معاف فرما دیا اور آزاد کر دیا ۔ قریب ہی حضرت علیؓ کھڑے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ حضرت سے درخواست کرو تمہیں سواری بھی دے دیں ۔ کیونکہ تم نے دُور جانا ہے ۔ اُس عورت نے درخواست پیش کی تو آپؐ نے سواری بھی دے دی ۔

جب وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچی تو اپنے بھتیجے کو کہا کہ میرے ساتھ اس شخص نے ایسا سلوک کیا ہے ۔ کہ تمہارا باپ بھی ایسا سلوک نہ کر سکتا ۔ مجھے امید ہے ۔ کہ اگر تم بھی جا کر معافی مانگو تو وہ معاف کر دے گا ۔ چنانچہ عدیؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم کیوں بدکتے ہو اور دُور بھاگتے ہو کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی معبود ہے کیا تم لا الہ الا اللہ سے بھاگتے ہو اس نے عرض کیا حضرت نہیں میں تو اس سے نہیں بھاگتا پھر آپ نے فرمایا کیا تم اللہ اکبر (یعنی اللہ ہی بڑا ہے) سے بھاگتے ہو اس نے پھر عرض کیا ۔ نہیں "اِنِّیْ حَنِیْفٌ" میں تو حنیف ہو چکا ہوں ۔ میں نے اسلام قبول کر لیا ۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک بہت

زیادہ خوش ہوگیا اور چمکنے لگا۔ آپ نے اس کو اپنے پاس بطور مہمان رکھا۔

اسی حدیث میں موجود ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہود مغضوب ہیں اور نصاریٰ گمراہ ہیں ضال ہیں۔

نصاریٰ کی گمراہی

اِن دونوں گروہوں کو محروم گروہ میں شمار کیا ہے۔ مغضوب ہوں یا ضال ہوں ان دونوں کے راستے سے بچنے کی درخواست کی گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اِن کے راستے سے بچالے۔

نصاریٰ میں عملی قوت بہت ہے۔ مگر اُن کی فکر فاسد ہے۔ وہ اس لیے کہ قرآن پاک میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے۔ "اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ" یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اسکے سوا کچھ نہیں کہ ہمارا ایک بندہ ہے، جس پر ہم نے انعامات فرمائے ہیں۔ مگر نصاریٰ نے ان کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور خدا قرار دے دیا۔ لہذا یہ اُن کی گمراہی ہوئی۔ پھر انہوں نے تین خدا بنا لیے، لہذا ان کی فکر فاسد ہوگئی۔ یہ عقیدہ انہوں نے بہت ہی گندہ ایجاد کیا۔ اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اور بھی جو منعم علیہم بندے ہوں گے یہ سب کا انکار کردیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی منجملہ منعم علیہم بندوں کے ایک بندہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ مسیح ابن مریم نہیں ہے مگر اللہ کا رسول۔ اللہ نے اس پر بڑے انعام فرمائے ہیں۔

بڑھانا نہ حد سے زیادہ مجھے تم

اسی واسطے حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَا تُطْرُوْنِیْ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا، جیسا کہ عیسائیوں نے عیسےٰ علیہ السّلام کی تعریف میں مبالغہ کرکے انہیں خدا کے مرتبے تک پہنچا دیا۔ پھر فرمایا فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اے لوگو! تم بھی مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہو۔ کوئی ایسا مبالغہ نہ کرو۔ جس سے العیاذ باللہ شرک اور کفر والی بات ہو جائے۔

امام مجددؒ فرماتے ہیں کہ تشہد میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میں عبد کو پہلے ذکر کیا اور رسول کو بعد میں۔ کیونکہ عبد کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے۔ یہ مقدم

ہے اور رسول کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے اور یہ بعد میں ہے۔ رسول رسالت کا حق ادا کرتا ہے یعنی پیغام رسانی کرتا ہے۔ اور یہ تعلق مخلوق کے ساتھ ہے لہٰذا اسے بعد میں ذکر کیا۔ اور عبد کا جو تعلق اللہ کے ساتھ ہے اُسے مقدم ذکر کیا۔

گمراہی میں یہود و نصاریٰ کی مثل

مفسّرین کرام فرماتے ہیں کہ یہودی مغضوب ہیں اور نصاریٰ ضال ہیں تو کیا اور لوگ گمراہ نہیں ہیں، خود ہی جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ بھی یہود و نصاریٰ کی مثل ہوں گے وہ سب مغضوب ہیں۔ کافر، مشرک، منافق، مجوسی اور صابی یہ سب مغضوب اور ضال ہیں۔ مثال میں صرف یہود اور نصاریٰ کا اس لئے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ اہل کتاب کہلاتے ہیں، اپنے آپ کو کتاب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جب یہ اہل کتاب مغضوب اور ضال ہیں تو باقی گروہ بطریقِ اولیٰ مغضوب اور ضال ہیں کیوں کہ ان کے پاس تو کتاب بھی کوئی نہیں۔ دین اور شریعت بھی نہیں ہے۔ جب اہلِ کتاب کی فکر فاسد ہوگئی تو باقیوں کی گمراہی میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

موجودہ زمانے کے اکثر پیر نصاریٰ سے مشابہ ہیں

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دور کے بہت سے عالم یہود کی طرح ہیں۔ جو دیدہ دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔ حق کو چھپانے والے اور غلط رسومات نکالنے والے علما یہودیوں کی طرح ہیں۔

آپ نے فوز الکبیر میں لکھا ہے۔ کہ ہمارے زمانے کے مشائخ اور پیر نصاریٰ کے ساتھ ملتے ہیں کسی نے رہبانیت بنالی ہے، کسی نے قبر پرستی ایجاد کرلی ہے۔ کوئی عرس کرتے ہیں۔ ایسی ہی طرح طرح کی رسومات آپ دیکھ سکتے ہیں۔

عرس حضرت علی ہجویریؒ

اسی ہفتے[ل] حضرت علی ہجویریؒ کا عرس ہے۔ اُن کی کتاب کشف المحجوب ایمان اور حقائق سے

[ل] ماہ صفر کی آخری تاریخیں ۱۴۰۱ھ۔

Marfat.com

Marfat.com

نتیجہ ہے۔

جب شیطان خواہش کے راستے سے داخل ہو کر گمراہ کرے گا تو یہ خدا پر ظلم کرے گا۔ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ کیا دیکھا آپ نے جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا۔ جیسی اس کی خواہش کہتی ہے اس کے پیچھے چلتا رہتا ہے۔ ارض و سما میں سب سے بدترین معبود خواہش ہے۔ اور اس کے پیچھے چلنا گویا اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کرنا ہے۔ اپنے پروردگار پر ظلم کرنا ہے۔

شیطان اس طرح سے مختلف راستوں سے انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

"ض" کا مخرج اور اس میں اختلاف

مغضوب اور ضالّ میں آنے والا ض کا حرف بعض اوقات جھگڑے کا باعث بن جاتا ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ ض اور ظ کے حروف کی ادائیگی میں فرق کرنا مشکل ہے اس لیے اگر اس میں کچھ خرابی ہو جائے تو معاف ہے۔ کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ ض اگر اپنے اصلی مخرج سے نہ نکل سکے تو ظ سے مشابہ ہوگا۔ چونکہ عربی زبان میں یہ سب سے مشکل حرف ہے اس لیے یہ حرف صحیح طریقے سے جبھی ادا ہو سکتا ہے جب قاری حضرات اچھے طریقے سے سکھائیں۔ تو اس کی بہت مشابہت ظ کے ساتھ آتی ہے، د کے ساتھ نہیں۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ بتلاتے ہیں کہ زبان کا بایاں کنارہ اور بالائی داڑھوں کی جڑ سے ادا ہوتا ہے۔ بہر حال اگر ض صحیح طریقے سے ادا نہ ہو تو پھر ظ سنائی دیتی ہے۔ جو لوگ اس کو د پڑھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اس پر بڑے بڑے فتنے کھڑے ہوئے ہیں صوبہ سرحد میں پچھلی صدی میں پچاس سال تک جھگڑا رہا۔ ایک پارٹی د والی تھی اور ایک ذ والی۔ آپس میں لڑائی بھڑائی کرتے تھے۔ ایک دفعہ خان عبدالغفار خاں تقریر کرنے کے لیے کوہاٹ آئے تو لوگوں نے تقریباً دو ہزار روپے چندہ اکٹھا کر کے دیا۔ کہ خدا کے لیے مکہ شریف سے فیصلہ لاؤ کہ ہم کیا کریں، ہم تو بڑے پریشان ہیں۔ ہماری پارٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ کوئی کہتا ہے ذال پڑھو، کوئی کہتا ہے دال پڑھو۔ وہ بڑے سمجھدار اور سیاسی آدمی تھے۔ انہوں نے کہا، خدا کے بندو! یہ جھگڑا مکہ اور مدینہ شریف جا کر نہیں مٹے گا، یہ تمہارے دل سے ہی مٹے گا۔ اگر سمجھنے کی کوشش کرو گے تو جھگڑا مٹ جائے گا۔ تو اس کے لیے فن تجوید کے ماہرین سے

Marfat.com

پوچھو کہ کس طرح ادا کرنا چاہیئے۔ وہ شرع سے سیکھتے سکھاتے آئے ہیں، اس کے مطابق بات کرو۔ یہ فیصلہ یہیں ہو گا۔ کسی دوسری جگہ سے فتویٰ لانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

نزول فاتحہ پر شیطان کا نوحہ

سورۃ فاتحہ بڑی فضیلت والی سورۃ ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے جس شخص نے سورۃ فاتحہ کو ایمان اور اخلاص کے ساتھ پڑھا، اس نے گویا کہ چاروں آسمانی کتابوں تورات، زبور، انجیل اور قرآن پاک کو پڑھ لیا۔ سب کی جامع ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ابلیس نے چار دفعہ نوحہ اور ماتم کیا ہے۔ اول جب کہ خدا نے ابلیس پر لعنت بھیجی تھی "اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ" تم پر لعنت ہے تم نے میرے حکم سے سرتابی کیوں کی۔ اور دوسری دفعہ جب اس کو جنت سے نکالا گیا۔ اُس دن بھی شیطان نے بڑا ماتم اور نوحہ کیا تھا۔ تیسری بار شیطان اس وقت رویا تھا جب حضور علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ کہ اب بہت سے لوگ دنیا میں گمراہی سے نکل کر ہدایت پا جائیں گے اور شیطان کے رونے کا چوتھا موقعہ وہ ہے، جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کی فضیلت اور مرتبہ بہت بلند ہے یہ قرآن کریم کا خلاصہ، لب لباب اور نچوڑ ہے۔

آمین - سری یا جہری

سورۃ فاتحہ جب وَلَا الضَّآلِّیْنَ پر ختم ہو جاتی ہے تو اس کے بعد آمین کا لفظ آتا ہے آمین بالاتفاق قرآن کا جزو نہیں ہے۔ لیکن اس کا پڑھنا سنت ہے، مستحب ہے، نماز میں آمین کہنے میں لوگ جھگڑا کرتے ہیں کہ اونچی آواز سے پڑھنا چاہیئے یا نیچی آواز سے، دونوں قسم کی روائتیں آتی ہیں۔ جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔

تین امام یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ پست آواز والی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو مقتدی کو پست آواز سے آمین کہنی چاہیئے۔ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اونچی آواز سے پڑھنا چاہیئے۔ یہ تین امام ایک طرف ہیں اور ایک امام ایک طرف۔ جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ مستحبات ہیں۔

Marfat.com

——— بعض مسائل ایسے ہیں جن کے اندر جھگڑا کرنا نہایت ہی فضول بات ہے۔

رفع یدین

رکوع جانے کے وقت رفع یدین کرنا چاہیئے یا نہیں. امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نہ کرنے میں زیادہ ثواب ہے. اگر کوئی کرلے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ اصل اتنا ہی ہے۔ کہ زیادہ بہتر کون سی بات ہے اس میں جھگڑنا بڑی فضول بات ہے۔

نماز میں ہاتھ باندھنا

اسی طرح نماز میں ہاتھ کہاں باندھنے چاہئیں۔ اس بات میں بھی جھگڑا کرنا فضول ہے۔ لوگ خواہ مخواہ تعصب میں مبتلا ہو کر جھگڑا کرتے ہیں۔ یہ سب معمولی اختلافات ہیں۔ جو ائمہ کرام میں بھی رہے۔

فاتحہ خلف امام

امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں یہ میں نے عرض کر دیا۔ امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ یہ دونوں ذرا سختی سے کام لیتے ہیں۔ انہوں نے فرضیت کا حکم لگایا۔ ورنہ کسی امام نے نہیں کہا کہ فرض ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے مباح کہا ہے یا استحباب کا درجہ رکھتا ہے اور وہ بھی سرّی نمازوں میں۔ جہری نمازوں میں چاروں امام قائل نہیں۔ چاروں امام کہتے ہیں جب امام جہر کر رہا ہو تو مقتدی کو پیچھے نہیں پڑھنا چاہیئے۔ امام ابوحنیفہؒ مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ پڑھنے والا خطا کار ہوگا۔ وضع کے خلاف ہے۔ امام کی قرأت تمہاری ہی قرأت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ فرمایا جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے برابر ہوگی۔ اُس کے اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ جب مقتدی نے آمین کہہ دیا تو اس کا معنیٰ ہے اِسْتَجِبْ۔ اے اللہ! ہماری دعا اور درخواست کو قبول فرمائے تو مقتدی بھی قرارت میں شریک ہوگیا۔ اُس کو قرارت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ موضوعِ قرآن کے خلاف ہے۔

Marfat.com

فطرت کے خلاف ہے کہ دونوں الگ الگ پڑھیں۔

ہاں سری نمازوں میں جب سنائی نہیں دیتا تو امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کہتے ہیں کہ پڑھ لینا بہتر ہے، فرض پھر بھی کوئی نہیں کہتا۔ فرضیت امام کی وجہ سے ادا ہو گئی۔ امام نے پڑھ لی تو مقتدیوں کی طرف سے بھی ادا ہو گئی۔

اس میں دو اماموں نے ذرا تشدد کیا ہے یعنی امام بخاریؒ اور بیہقیؒ نے ان کے دلائل کمزور ہیں جمہور کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔ لیکن ہم تو ان کے ساتھ بھی جھگڑا نہیں کرتے۔ جو پڑھتے ہیں ہم نہیں کہتے کہ نماز نہیں ہوتی تعصب ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ جو نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ نہ ہونے کا فتویٰ لگانے والے متعصب ہیں۔ کیا معلوم کہ کیوں نہیں ہوتی۔ کیا تم قضاء و قدر کا فیصلہ پڑھ کر آئے ہو۔ کیا تم لکھا ہوا دیکھ آئے ہو تمہیں کیا معلوم ہے کہ نماز نہیں ہوتی۔

اور جہاں تک دلائل کی بات ہے تو دیکھو قوی دلائل کدھر جا رہے ہیں۔ قرآن کی آیات زیادہ ثبوت کدھر مہیا کرتی ہیں۔ کثرت کے ساتھ قوی احادیث کیا بتلاتی ہیں اور احتیاط کس میں ہے۔ ساری باتوں کو دیکھو، مگر جھگڑا کرنا یہاں بھی روا نہیں ہے۔

ذخیرہ مجالس العلم لاہور

آمین دعا ہے

آمین فضیلت والی بات ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عطاؒ کہتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور یہ مہر کی طرح اخیر میں لگ جاتی ہے۔ اور دعا کا قانون ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً بھی گڑگڑا کر اور پوشیدہ طور پر دعا زیادہ افضل ہے۔ لہٰذا اس قرینے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اونچی آواز سے پڑھے تو اس کے ساتھ ہرگز جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ روایات دونوں قسم کی آتی ہیں۔ صرف ترجیح کا مسئلہ ہے۔ تو ان باتوں میں ایک توض کا مسئلہ ہے۔ یہ ذرا مشکل ہے۔ قاری اور استاذ کے کافی مشق کرانے کے بعد اس پر قابو ہو سکتا ہے۔ عربی کے تمام حروف میں سے ادائیگی کے لحاظ سے ض سب سے مشکل ہے اور اس کی اگر خرابی ہو جائے۔ تو اس کی شباہت ظ کے ساتھ آتی ہے، د کے ساتھ نہیں۔ علم تفسیر والے اور مفسرین یہی کہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ یوم الاربعاء ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

Marfat.com